WWW.PILDAT.ORG

پوزیشن پیپر

پاکستان کا نظام پولیس

اکتوبر 2015

پلڈاٹ

پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ
اینڈ ٹرانسپیرنسی

WWW.PILDAT.ORG

پوزیشن پیپر

پاکستان کا نظام پولیس

اکتوبر 2015

پلڈاٹ
پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ
اینڈ ٹرانسپیرنسی

پلڈاٹ، ملکی، خود مختار، غیر جانبدار اور بلا منافع بنیادوں پر کام کرنے والا ایک تحقیقی اور تربیتی ادارہ ہے جس کا مقصد پاکستان میں جمہوریت اور جمہوری اداروں کا استحکام ہے۔

پلڈاٹ، پاکستان کے قانون اندراج تنظیم مصدرہ 1860 (قانون نمبر 21 بابت 1860) کے تحت، بلا منافع کام کرنے والے ایک ادارے کے طور پر اندراج شدہ ہے۔

کاپی رائٹ: پاکستان انسٹیٹیوٹ آف لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ اینڈ ٹرانسپرنسی۔پلڈاٹ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

پاکستان میں شائع کردہ

اشاعت: اکتوبر 2015

آئی ایس بی این: 978-969-558-527-6

اس اشاعت کا کوئی بھی حصہ، پلڈاٹ کے واضح حوالے کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اسلام آباد آفس: پی، او، باکس 278، F-8، پوسٹل کوڈ: 44220، اسلام آباد، پاکستان
لاہور آفس: پی، او، باکس 11098، L.C.C.H.S، پوسٹل کوڈ: 54792، لاہور، پاکستان
ای میل: info@pildat.org ویب: www.pildat.org

مندرجات

پیش لفظ
مصنف کا تعارف
خلاصہ
تعارف 11
مسئلہ 11
تاریخی پس منظر 11
- آئرش کانسٹیبلری ماڈل 12
- لندن ماڈل 13
- آئرش اور برطانوی ماڈلز کا تقابلی جائزہ 13
- نیپیئرز پولیس تنظیم 14
- نیپیئرز ماڈل کی اساس 14
- پولیس ریفارم پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا تاریخی فیصلہ 14
- پولیس ایکٹ 1861 15
- دوہرے کنٹرول کا نظام 16
- پولیس کمیشن 1902-03 17
پولیس اصلاحات کی سیاست 18
جامع پولیس اصلاحات کی جانب سفر 21
پولیس آرڈر 2002 24
پولیس آرڈر ترمیمی آرڈیننس 2004 25
پولیس آرڈر 2002 کی قانونی حیثیت 25
پولیس آرڈر 2002 کی موجودہ صورت حال 32
پنجاب پولیس آرڈر ترمیمی ایکٹ 2013 33
سندھ پولیس ایکٹ 2014 کا مسودہ 34
انفراسٹرکچر اور صلاحیت سازی کے مسائل 34

- آٹو میٹڈ فنگر پرنٹ آئڈینٹی فکیشن سسٹم 34
- پولیس ریکارڈ اینڈ آفس مینجمنٹ انفارمیشن سسٹم 35
- نیشن وائڈ انٹیگریٹڈ ٹرنک ریڈیو سسٹم 35
- بلوچستان میں "B" ایریا کی "A" ایریا میں منتقلی 35
- بلوچستان کانسٹیبلری کا قیام 36
- صوبوں میں صلاحیت سازی کی کاوشیں 36
- کارکردگی اور اہلیت کا بحران 37
- تربیت 37
- سیاسی بھرتیاں، تعیناتیاں اور ترقیاں 38

انتظامی مسائل 39
- پولیس کی ناکافی تعداد اور ناکافی پولیس بجٹ 39
- درجہ بندی کے مسائل 40
- غیر موثر انٹیلی جنس ہم آہنگی 40

دہشت گردی کے مسائل 41
پولیس اصلاحات میں غیر سرکاری تنظیموں اور سول سوسائٹی کا کردار 42
کمزور پولیس نظام کے اثرات 43
علاقائی اور بین الاقوامی بہترین روایات 45
- پیلین (Peelian) اصول 45
- سر رابرٹ مارک کا دیا گیا اصول 45
- قانون نافذ کرنے والے اہلکاران کے لئے اقوام متحدہ کا ضابطہ اخلاق 46

جمہوری پولیس سروس کے اصول 47
- مستقبل کا لائحہ عمل 47

ریفرنسز 49
ضمیمہ الف: آزاد پاکستان میں پولیس اصلاحات کی بڑی کاوشیں 51
حوالہ جات 52

پیش لفظ

پلڈاٹ نے قومی اور صوبائی سطح پر قانون سازی اور پالیسی سازی کے ذریعے پاکستان میں پولیس' پراسکیوشن اور فری لیگل ایڈ کے شعبوں میں اصلاحات کیلئے ایک پروگرام کا آغاز کیا ہے۔ اس پروگرام کے تحت پوزیشن پیپرز تیار کرنے کیلئے پلڈاٹ نے ان تینوں شعبوں کے ماہرین کی خدمات حاصل کی ہیں۔ متعلقہ افراد کے مشاورتی اجلاس میں پالیسی ریفارم پروپوزل وضع کرنے کیلئے اور ان کو حقیقت کا روپ دینے کیلئے یہ پوزیشن پیپرز' وسیلے کے طور پر استعمال ہونگے۔

یہ پوزیشن پیپر پاکستان کے موجودہ پولیس نظام کا جائزہ پیش کرتا ہے۔ یہ پیپر پاکستان کے پولیس نظام میں پائی جانے والی خامیوں کا بغور تجزیہ کرتا ہے اور مقنّنہ اور انتظامیہ کے غوروخوض کیلئے متبادل پالیسی کی تجاویز پیش کرتا ہے۔

اظہار تشکر

اس پوزیشن پیپر کے مصنف' سندھ اور بلوچستان کے سابق آئی۔جی ڈاکٹر محمد شعیب سڈل HSt HI QPM PPM ہیں۔ یہ پیپر پلڈاٹ نے ریفارمز ان پولیس' پراسکیوشن سروس اینڈ لیگل ایڈ' پروجیکٹ کے تحت شائع کیا ہے جس کیلئے اسے Enhanced Democratic Accountability and Civic Engagement (EDACE) کے تحت Development Alternatives Inc. (DAI) کا تعاون حاصل رہا۔

اظہار برائت

اس پیپر میں دی گئی آراء مصنف کی ہیں اور ضروری نہیں کہ یہ پلڈاٹ یا Development Alternatives Inc کی آراء کی عکاسی کرتی ہوں۔

اسلام آباد
اکتوبر 2015

مصنف کے بارے میں

ڈاکٹر سڈل آج کل سیفر کمیونٹیز فاؤنڈیشن(SCF) کے سربراہ ہیں۔ یہ فاؤنڈیشن غیر منافع بخش سول سوسائٹی آرگنائزیشن ہے جو سکیورٹیز اینڈ ایکسچینج کمیشن آف پاکستان میں رجسٹرڈ ہے۔SCF کا مقصد ہائر ایجوکیشن اور کریمینالوجیکل اور جیوریڈیکل سائنسز میں تحقیق کے ذریعے پاکستان میں قانون کی حکمران اور جمہوریت کو فروغ دینا ہے۔ ڈاکٹر سڈل گلوبل تھنک ٹینک نیٹ ورک‘ نسٹ (NUST) کے سینئر فیلو‘ سٹیئرنگ کمیٹی فار اسسمنٹ آف کوالٹی آف گورننس ان پاکستان‘ پلڈاٹ کے رکن‘ انٹرنیشنل پولیس ایسوسی ایشن پاکستان کے صدر‘ ایشیاء کرائم پریونشن‘ ٹوکیو کے انٹرنیشنل ڈائریکٹر اور ایشیاء کرائم پریونیشن فاؤنڈیشن پاکستان کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر ہیں۔

ڈاکٹر سڈل ایک تجربہ کار سرکاری افسر ہیں۔ انہوں نے چالیس سال سے زائد عرصہ تک پاکستان کیلئے اپنی خدمات سرانجام دیں۔ آپ نے 1973 میں اے۔ایس۔پی(ASP) کی حیثیت سے اپنے سفر کا آغاز کیا ور آپریشنل اور سٹریٹیجک سطح پر کئی اہم عہدوں پر فائز رہے۔ آپ نے پولیس چیف کی حیثیت سے کراچی میں(96-1995) دہشت گردی پر بڑے موثر انداز سے قابو پایا۔ نیشنل ریکنسٹرکشن بیورو کے کنسلٹینٹ کے طور پر پولیس آرڈر 2002 کے شریک مصنف ہیں۔ اس پولیس آرڈر کی وجہ سے پاکستان میں 141 سالہ پرانا پولیس کا قانون تبدیل ہو چکا ہے۔ 9/11 کے تین دن بعد آپ آئی۔جی پولیس بلوچستان مقرر ہوئے۔ ان کے تین سالہ دور میں بلوچستان پولیس میں تاریخی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ بلوچستان پولیس کا دائرہ اختیار 5 فیصد سے بڑھ کر پورے بلوچستان تک پھیل گیا۔ 2004 میں وہ نیشنل پولیس بیورو‘ وزارت داخلہ کے ڈائریکٹر جنرل مقرر ہوئے۔ اس اہم عہدے پر آپ نے پاکستان میں دہشت گردی پر قابو پانے کی پالیسی تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ آئی۔جی سندھ رہنے کے بعد 2008 میں آپ انٹیلی جنس بیورو (پاکستان کی پریمیئر سویلین انٹیلی جنس ایجنسی) کے ڈائریکٹر جنرل مقرر ہوئے۔ آپ کی آخری سرکاری ملازمت وفاقی محتسب برائے ٹیکس پاکستان(13-2009) تھی۔ 2013 میں ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل پاکستان کی جانب سے شائع کردہ ایک غیر جانبدار رپورٹ کے مطابق محتسب ٹیکس کے ادارے نے 90 فیصد غیر معمولی ہائی ریٹنگ حاصل کی۔ اس رپورٹ کے مطابق محتسب ٹیکس‘ پاکستان کے سرکاری اداروں میں سب سے زیادہ شفاف اور مستعد ادارہ قرار دیا گیا۔

ڈاکٹر سڈل جنوبی ایشیاء میں پولیس ریفارم اور دہشت گردی پر قابو پانے کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ آپ یونائیٹڈ نیشنز ایشیاء اور فار ایسٹ انسٹیٹیوٹ آن کرائم پری وینشن اینڈ ٹریٹمنٹ آف آفینڈرز(UNAFEI)‘ ٹوکیو کے وزٹنگ کریمنل جسٹس ایکسپرٹ ہیں اور کئی قومی اور بین الاقوامی تنظیموں بشمول یونائیٹڈ نیشنز آفس آن ڈرگز اور کرائم کے ریسورس پرسن بھی ہیں۔

ڈاکٹر سڈل نے کارڈِف یونیورسٹی(Wales) سے کریمینالوجی میں ایم۔ایس۔سی اور وائٹ کالر کرائم میں پی۔ایچ۔ڈی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور سے فزکس میں ایم۔ایس۔سی اور پنجاب یونیورسٹی سے ایل۔ایل۔بی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کئی پبلیکیشنز اور آرٹیکلز کے مصنف بھی ہیں۔ آپ کے آرٹیکلز پاکستان اور بیرون ملک شائع ہوئے۔

ڈاکٹر سڈل نے پاکستان کے سرکاری ملازم کی حیثیت سے سب سے زیادہ ایوارڈ حاصل کیے۔ آپ کی اعلیٰ خدمات کے اعتراف میں 1996 میں ہلال شجاعت، 2008 میں ہلال امتیاز، 1993 میں قائد اعظم پولیس میڈل اور 1981 میں صدارتی پولیس میڈل سے نوازا گیا۔

خلاصہ

پاکستان میں پچھلے چند سالوں سے امن عامہ کی صورتحال ابتری کا شکار ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں قانون نافذ کرنے والے ادارے اپنے فرائض، خاص طور پر سنگین جرائم اور دہشت گردی پر قابو پانے، میں قاصر رہے ہیں۔ پاکستان میں پولیس کی نااہلی اور ان کے عوام کے ساتھ رویے پر سخت تنقید کی جاتی ہے اور اکثر ان پر کرپشن اور سیاسی مداخلت کا الزام لگایا ہے۔ جب سے پاکستان آزاد ہوا ہے انگریزوں سے وراثت میں ملنے والے پولیس سسٹم اور سٹرکچر میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں آئی۔ اس میں تبدیلی لانے کی بہت کم کوششیں کی گئی ہیں۔

اس کی مثال 2002 کا پولیس آرڈر ہے جو 14 اگست 2002 کو سو سال سے زائد پرانے پولیس ایکٹ 1861 کی جگہ پاکستان کے چاروں صوبوں میں جاری کیا گیا۔ تاہم وفاقی دارالحکومت اسلام آباد، گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر میں اس کا نفاذ نہ ہو سکا۔

یہ پوزیشن پیپر ایسے عوامل کی عکاسی کرتا ہے جو پولیس سسٹم کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ ان عوامل میں دیگر کے علاوہ پولیس کی بھرتی اور پروموشن کے عمل میں سیاسی مداخلت، بجٹ کی کمی اور کمزور انفراسٹرکچر شامل ہیں۔

پاکستان میں پولیس ریفارم اور اس ادارے کی بدنامی کے خاتمے کیلئے این۔جی۔اوز کی جانب سے اٹھائے جانے والے چند اقدامات کی وجہ سے لوگوں میں پولیس میں شفافیت اور موثر احتساب اور ریفارم کے بارے میں آگاہی پیدا ہوئی۔

تاہم ان تمام کوششوں کے باوجود مطلوبہ ریفارمز چند متغیرات کے بغیر ممکن نہ ہیں۔ یہ متغیرات وفاقی اور صوبائی اور مقامی حکومتوں کے درمیان اختیارات کا توازن، ملک کے انتظامی امور میں عدلیہ، فوج اور سیاسی پارٹیوں کا کردار، پبلک پراسیکیوٹرز اور سرکاری وکیلوں کا کردار اور کسی خاص وقت پر پولیس کے اعلیٰ افسران کا کردار اور ایسی کوششیں ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کا پولیس کے ادارے پر اعتماد بحال ہو۔

اس پوزیشن پیپر میں پاکستان کے پولیس سسٹم میں ریفارمز لانے کی سفارشات پیش کی گئی ہیں۔ ''پہلے مسائل'' کی پالیسی پر عمل کرنے سے پولیس پر لوگوں کا اعتماد یقیناً بحال ہوگا اور عوام کے تحفظ اور پولیس کے احتساب کا معیار بہتر ہوگا۔ یہ پوزیشن پیپر پولیس کی قیادت سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ ایسے انتظامات کریں جن سے کم از کم درج ذیل اہم مقاصد ضرور حاصل ہوں۔

۱۔ پولیس کے اہم عہدوں پر کام کرنے والے افراد کی مدت ملازمت کی سکیورٹی۔
۲۔ پولیس میں سیاسی مداخلت کا خاتمہ
۳۔ پولیس کی سٹریٹجک کپیسٹی بلڈنگ کی مناسب فراہمی۔

۴۔ پولیس، خصوصاً چھوٹے ملازمین کے کام کے ماحول میں تبدیلی

۵۔ پولیس کا مناسب بجٹ

۶۔ پولیس کی لوگوں کو ڈرانے والی فورس کی بجائے لوگوں سے دوستانہ رویہ اپنانے والے ادارے میں تبدیلی۔

یہ ضروری ہے کہ پولیس کی تنظیم نو کی جائے تاکہ اس میں سیاسی مداخلت کا خاتمہ ہو سکے، اسے جوابدہ بنایا جا سکے اور عوام کی اس تک رسائی ہو۔ اسے منظم ہونا چاہیے تاکہ یہ قانون کی حکمرانی کا باعث بنے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے ایک پختہ ذہن کے مالک پولیس افسران کی ضرورت ہے۔

تعارف

پاکستان میں قانون کی حکمرانی کیلئے پولیس ریفارم کو اولیت دی گئی ہے۔ ماضی میں ریفارم کی کوششوں کے باوجود پاکستان میں ابھی تک پولیس ریفارم کی ضرورت ہے۔ پولیس میں ریفارم لانے کی بڑی وجہ یہ ہے کسی ملک کی معاشی اور سماجی ترقی اور انسانیت کے تحفظ کیلئے ایک شفاف، ذمہ دار اور مستعد کریمنل جسٹس سسٹم ضروری ہے۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں امن عامہ کی صورتحال حالیہ سالوں میں مزید خراب ہو رہی ہے اور پولیس اپنی بھاری ذمہ داریاں، خصوصاً دہشت گردی اور سنگین جرائم سے نمٹنے سے قاصر ہو چکی ہے۔

مسئلہ

پاکستان میں پولیس نظام کے راستے میں درج ذیل رکاوٹیں حائل ہیں:

١۔ قدیم قانونی اور آئینی فریم ورک جو انیسویں صدی میں ہندوستان، جو دیہی علاقوں پر مشتمل تھا اور جہاں شہری آبادی اور صنعتیں برائے نام تھیں، کیلئے وضع کیا گیا تھا اور یہ بنیادی طور پر نوآبادیاتی نظام حکومت کیلئے بنایا گیا تھا۔

٢۔ ملک کے ارباب اختیار کی من مانی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہر سطح پر نااہل اور کمزور پولیس افسران کی ملی بھگت سے پولیس نظام میں بدانتظامی۔

٣۔ جزوی احتساب

٤۔ خراب محرک نظام

٥۔ بڑے پیمانے پر ہونے والی کرپشن

٦۔ فنڈز کی شدید کمی

٧۔ نوآبادیاتی دور کی قدیم تنظیم جہاں انتظامیہ لوگوں کو دبانے کیلئے پولیس کو استعمال کرتی تھی۔

٨۔ پولیس نہ جمہوری طریق سے کنٹرول کی جاتی ہے اور نہ ہی سیاسی طور پر غیر جانبدار ہے۔

٩۔ پولیس نہ تو معاشرے سے تعاون کرتی ہے اور نہ ہی سماجی ذمہ داری نبھاتی ہے۔

١٠۔ امن عامہ قائم رکھنا ایک دوہری ذمہ داری ہے۔

١١۔ سیاسی بھرتیاں، تعیناتیاں اور ترقیاں

١٢۔ مناسب تربیت کی کمی خصوصاً معاشرے کے بدعنوان عناصر سے نمٹنا

١٣۔ پالیسی وضع کرنے میں بے حس

١٤۔ بددیانتی

١٥۔ پیشہ ورانہ مہارت کی کمی

١٦۔ عام لوگ معاشرے میں پولیس کے کردار کی زیادہ قدر نہیں کرتے۔

١٧۔ پالیسی وضع کرنے میں معاشرے کی شمولیت بہت کم ہے

تاریخی پس منظر

1947 میں پاکستان کو انگریزوں سے 80 سال سے زائد پرانا پولیس نظام ورثے میں ملا۔ 1861 میں جب یہ نظام وضع کیا گیا تھا تو اس کے بنانے کا مقصد پولیس کو ایک ایسا آلہ کار بنانا تھا جسے نوآبادیاتی حکومت مقامی لوگوں کو دبانے کیلئے استعمال کر سکتی نہ کہ ایک سیاسی طور پر غیر جانبدار تنظیم جو قانون کے نفاذ کیلئے استعمال ہو۔ پولیس کو لوگوں سے دوستانہ رویہ اپنانے کی بجائے انہیں ڈرانے کیلئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کا مقصد لوگوں کو خدمات فراہم کرنا نہیں تھا۔ یہ اس وقت کے ان سماجی اور سیاسی حالات کے پیش نظر بنائی گئی تھی جو برطانوی راج کی آنکھ سے دیکھے جا سکتے تھے۔ اس کی سب سے اہم ذمہ داری مالیہ اراضی اکٹھا کرنا اور امن عامہ قائم رکھنا تھا (جسٹس کارنیلس اسے ڈنڈے کا قانون کہتے تھے)۔ یہ دونوں فرائض ایک یورپی افسر کے ذمے تھے جو کلکٹر، ضلعی افسر، ڈپٹی کمشنر یا ضلعی مجسٹریٹ کہلاتا تھا۔ بعدازاں ضلعی افسر کو مجسٹریٹ کے اختیارات بھی سونپ دیئے

گئے۔ جو فوجداری کے مقدمات میں آئینی اختیارات استعمال کرتے ہوئے جج کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔

کسی نوآبادیاتی پولیس اور ایک آزاد ملک کی پولیس میں بنیادی فرق کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اول الذکر ایک جزوی فوج' کم خواندہ' کم تنخواہ دار تھی جن کو ایک ہنگامہ خیز اور مخالف مقامی آبادی کو دبا کر امن قائم کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا تھا۔ موخر الذکر کا مقصد ایسے پیشہ ور پیدا کرنا ہے جو عوام کی حمایت سے قانون کے غیر جانبدارانہ نفاذ کے ذریعے کثیر النسل اور سماجی سمجھ بوجھ رکھنے والے معاشروں میں جرائم کو روک سکیں اور ان کا سراغ لگا سکیں۔ اول الذکر کا مقصد لوگوں پر حکم چلانا تھا جبکہ موخر الذکر کا مقصد لوگوں کی خدمت کرنا ہے۔ کریمنل جسٹس کے نظام پر موثر اور سخت نگرانی کا دوسرا مقصد ہندوستان میں آباد درمیانے درجے کے یورپین تاجر اور حکومتی انتظامیہ میں کام کرنے والے افراد کو تحفظ فراہم کرنا تھا۔ اس مقصد کیلئے فوجداری مقدمات کی سماعت کرنے والے افراد مکمل طور پر ضلعی افسر کے ماتحت ہوتے تھے۔ ایک سرکاری عہدیدار کے پاس یہ دونوں اختیارات نہ صرف عملی اور اصولی طور پر غلط ہیں بلکہ یہ انگریزوں سے قبل قدیم ہندوستان کے انداز حکومت' جس میں عدلیہ اور انتظامیہ علیحدہ علیحدہ تھے' کے بھی منافی ہے۔

ضلعی افسر کی اس غیر مستحکم حیثیت پر کئی انگریزوں نے بھی تنقید کی لیکن ہندوستان میں برطانوی راج کو برقرار رکھنے کیلئے اسے انتہائی ضروری قرار دیا گیا۔

1861 میں پولیس آرگنائزیشن وضع کرنے کا اصل مقصد برطانوی راج کا استحکام تھا۔ آئرش کانسٹیبلری ماڈل کے ذریعے یہ مقصد حاصل کیا گیا جس کے تحت پولیس کو ضلعی افسر کے ماتحت کر دیا گیا جو نوآبادیاتی حکومت کا ایجنٹ تھا اور اس کے پاس انتظامی اختیارات تھے۔

آئرش کانسٹیبلری ماڈل

سلطنت برطانیہ جب وسیع ہونا شروع ہوئی تو پولیس کا ماڈل نوآبادیاتی حکومت کیلئے آئیڈیل تصور ہونے لگا۔ یہ ماڈل اس تجربے کی بنیاد پر تیار کیا گیا جو انگریزوں کو آئرلینڈ میں قوانین کانسٹیبلری 1822 اور 1836 کے تحت قائم کی گئی آئرش کانسٹیبلری کے ذریعے امن عامہ قائم کرنے کے دوران حاصل ہوا (جنہوں نے ویسٹ منسٹر سے جاری قانون کو رد کر دیا)۔

آئرش کانسٹیبلری مقامی آبادی کی بجائے ویسٹ منسٹر کو جائز سمجھتی تھی۔ یہ ایک قبضہ مافیہ فوج کے متبادل تھی جسے کوئی عوامی مینڈیٹ حاصل نہ تھا۔[1] انتظامی لحاظ سے اس کا جھکاؤ مرکز کی طرف تھا۔ یہ ایک ایسی چین تھی جس میں ایک انفرادی کانسٹیبل' چیف کانسٹیبل اور وہ انسپکٹر جنرل کے ماتحت تھا' انسپکٹر جنرل چیف سیکرٹری اور لارڈ لیفٹیننٹ کو جوابدہ تھا۔

اس ماڈل کی ایک اور اہم خصوصیت یہ تھی کہ ایک کانسٹیبل عدلیہ کی بجائے چیف کانسٹیبل کو جوابدہ تھا جو خود مرکزی حکومت کے زیر اثر تھا۔

آئرش ماڈل امن عامہ کے مسائل کو حل کرنے کیلئے ایک آئیڈیل طریقہ کار تصور کیا جاتا تھا۔[2]

> ''یہ بات واضح ہے کہ نوآبادیوں کے نقطہ نظر میں یہ ''پیراملٹری'، تنظیم یا فوجیوں کا دستہ بڑی کشش رکھتا تھا جسے مرکزی حکومت کے ایجنٹ کے طور پر ایسے ملک میں کام کرنے کیلئے تیار کیا گیا جہاں کی آبادی زیادہ تر دیہی تھی جہاں رابطوں کا فقدان تھا۔ سماجی حالات زیادہ تر قدیم تھے اور ایسے لوگوں پر تشدد عمومی بات تھی جو حکومت کے خلاف تھے۔ یہ قدرتی بات تھی کہ برطانیہ کی ایک منظّم سویلین اور مقامی فورس کی بجائے ایسی فورس تیار

کی جاتی جو نوآبادیاتی حالات کے مطابق مناسب ماڈل ہوتی۔''

لندن ماڈل

قانون میٹروپولیٹن پولیس 1829 کے تحت ایسے اصول وضع کیے گئے جن کی بنیاد پر انگلش پولیسنگ کو جدید شکل دی گئی۔ اول، پولیس کا محتاط رویہ تھا اور پولیسنگ کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وردی پہن کر افسران گشت کرتے تھے۔ دوم، کمانڈ اینڈ کنٹرول، مرکزی جزوی ملٹری انتظامی ڈھانچے کے ذریعے ہوتا تھا۔ سوئم پولیس، تحمل، غیر جانبدارانہ اور پیشہ ورانہ رویہ اپناتی تھی۔ چوتھا، انگلش کانسٹیبل کی اتھارٹی، تین سرکاری ذرائع، کراؤن (حکومتی سیاسی پارٹی نہیں)، قانون اور شہریوں کے تعاون سے حاصل کی جاتی تھی۔ آخر میں اسٹیبلشمنٹ، انتظامیہ اور ڈسپلنری ریگولیشنز جیسے معاملات کی نگرانی سیکرٹری داخلہ کرتا تھا اور پولیسنگ کی ہدایت پہلے دو جوائنٹ کمشنروں کو اور اب میٹروپولیٹن پولیس کے کمشنر کو دیتا ہے۔ باالفاظ دیگر سیکرٹری آف سٹیٹ کو ظاہری یا پوشیدہ طریقے سے پولیس آپریشنز کو ہدایت دینے کا اختیار نہ تھا۔

برطانیہ میں پولیسنگ ان سنہری اصولوں پر قائم ہے اور پولیس کا قانون چیف کانسٹیبل کے عہدے کو آزادی کی گارنٹی دیتا ہے۔ اپنی ذمہ داری پوری کرنے اور اپنی فورس پر نگرانی رکھنے میں قانون چیف کانسٹیبل کو مکمل آزادی دیتا ہے تاکہ وہ انفرادی مقدمات کے فیصلوں کے سلسلے میں آزاد ہو اور کسی روایتی جمہوری کنٹرول سے متاثر نہ ہو۔

آئرش اور برٹش ماڈل کا موازنہ

جواز، ڈھانچہ اور فرض کی تین شرائط کو استعمال کرتے ہوئے ماوبی Mawby (1990)[3] واضح کرتا ہے کہ انگلش اور نوآبادیاتی پولیس ماڈلز میں کافی تضاد پایا جاتا ہے۔ جہاں تک جواز کا تعلق ہے انگریزی نظام کی بنیاد قانون اور مقامی حکومت کی جوابدہی ہے جبکہ نوآبادیاتی ماڈل میں کوئی بیرونی اتھارٹی اپنے مقاصد کیلئے جواز قائم کر لیتی ہے۔

نوآبادیاتی نظام میں پولیس اکثر جج، جیلر اور جلاد کے اختیارات استعمال کرتی ہے۔ پولیس کی جانب سے عائد کردہ حکم خود بخود قانون کے مساوی نہ ہو سکا۔[4]

کسی حد تک ڈھانچے کے بارے میں بھی ایسا ہی کہا جا سکتا ہے۔ انگلینڈ کی پولیس فورس عدم مرکزیت کا شکار تھی۔ وہ سویلین تھی اور فوجی طریقے سے منظّم نہ تھی۔ اگرچہ سینئر افسران فوج سے بھرتی کیے جاتے تھے لیکن نوآبادیاتی پولیس نظام کا ڈھانچہ فوجی انداز کا تھا جس میں پولیس کی بھرتی اکثر فوج سے کی جاتی تھی۔ عموماً (سینئر افسران کی صورت میں یقیناً ایلینز، فوجی اور علیحدہ کواٹروں میں رہائش پذیر افراد کو پولیس میں بھرتی کیا جاتا تھا۔

یہ دونوں ماڈلز فرائض کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ انگریزی نظام کے تحت کام کرنے والی پولیس فورسز کو جرائم کے علاوہ اہداف دیئے جاتے تھے۔ عمومی انتظامی معاملات میں ان کی ذمہ داریاں اتنی اہم نہ تھیں جتنی نوآبادیاتی ماڈل میں تھیں۔ اس کے علاوہ اول الذکر کا کردار ملک میں امن عامہ قائم کرنا اور ملک کو سیاسی احتجاج سے محفوظ رکھنا تھا جبکہ نوآبادیوں میں ایسی کوئی ترجیحات نہ تھیں۔ نوآبادیاتی نظام میں[5]

> سیاسی اور جرائم پر قابو پانے کے فرض میں واضح فرق نہ تھا۔ نوآبادیاتی دور حکومت میں جرم اور سیاست ایک دوسرے سے جدا نہ تھے۔ سنگین جرم ریاست کی اتھارٹی کی ایک سرکشی اور بغاوت کیلئے ایک ممکنہ کردار تھا۔ سیاسی مزاحمت کو ''جرم'' یا جرم کا محرک تصور کیا جاتا تھا۔ برسرپیکار قوم کے ذرائع اور مہارت، مخالف قوم کو شکست دینے کیلئے استعمال ہوتے تھے۔

یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے کہ ہندوستان جہاں ایک چھوٹی سی قبضہ مافیہ فورس نے انتظامی، عدالتی اور پولیس کے ذرائع کو اکٹھا کر کے ایک غیر ملکی حکمرانی عائد کر دی۔ اس کے نتیجے میں بننے والی پولیس آرگنائزیشن آئرلینڈ کے نمونے پر کام کر رہی تھی۔ تاہم امریکا اور آسٹریلیا جیسے ممالک میں جو نو آبادیاتی دور حکومت کے زیر اثر رہے لیکن ان کی مقامی آبادی اقلیت میں تھی اور/یا وہاں پولیسنگ کو ترجیح دی جاتی تھی جیسا کہ انگریز دور کے ہندوستانی شہروں مثلاً کلکتہ (موجودہ کولکتہ) مدراس (موجودہ چنائی) اور بمبئی (موجودہ ممبئی)، میں انگریزی نظام کی طرز پر متبادل پولیسنگ کا نظام ابھر کر سامنے آیا۔

نیپئر کی پولیس آرگنائزیشن

ہندوستان میں سر چارلس نیپئر نے 1840 کی دہائی میں صوبہ سندھ (جو اس وقت پاکستان کا جنوب مشرقی صوبہ ہے) میں آئرش طرز کی پولیس تشکیل دی اور بعد ازاں اس طرز کا نظام دوسروں صوبوں میں بھی رائج کیا گیا۔ پولیس فورس کو اسلحہ دیا گیا اور اسے فوج کی طرح منظم کیا گیا۔ آئرش کانسٹیبلری کی طرح اس کا جائے مقام اور بیرکوں میں اس کی رہائش سے معاشرے پر کنٹرول کرنے والے ایک ذریعے کے طور پر اس کے جواز، ڈھانچے اور فرض کی وضاحت ہوتی تھی۔

> غیر شادی شدہ کانسٹیبلان کے علاوہ شادی شدہ کانسٹیبلان اور سب کانسٹیبلان اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بیرکوں میں رہائش پذیر تھے۔ اس کی ایک وجہ ان کا تحفظ تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ مقامی لوگوں کے ساتھ ان کے تعلقات قائم نہ ہوں جس کا ان کے سینئر افسروں کو کافی خطرہ تھا۔[6]

نیپئر[7] سول سروس پر بہت شک کرتی تھی۔ اس کے مطابق یہ ایسا نظام تھا جس میں اچھے حکمران، برے طریقے سے حکومت کرتے ہیں کیونکہ یہ نظام غلط اصولوں پر قائم ہے۔ اس لئے اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے نئی انتظامیہ کو سول سرونٹس کی بجائے فوجی افسران، یا فوجی سویلین جیسا کہ وہ ان کو کہا کرتا تھا جو کم خرچ بالانشین تھے، چلائے گا۔ پیرا ملٹری آئرش کانسٹیبلری ماڈل کی طرز پر اس نے پورے صوبے کی پولیس کو پولیس کے کیپٹن کے ماتحت کر دیا۔

نیپئر ماڈل کی بنیاد دو اصولوں پر رکھی گئی تھی۔ اول حکومت کی حمایت کے لئے پولیس کو مکمل طور پر فوج سے الگ رکھا جائے۔ دوم، پولیس مکمل طور پر آزاد ہو تا کہ سول اتھارٹیز کی مدد سے وہ اپنے افسران کے ماتحت رہ کر امن عامہ قائم رکھنے کی اپنی ذمہ داریاں پوری کر سکیں۔

اگرچہ نئی پولیس کو صرف پولیس کا کام کرنا تھا اور افسران کی ڈیوٹی پولیس کی نگرانی کرنا اور ان کو حکم دینا تھا تاہم اس نظام میں سقم پایا جاتا تھا۔ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ تنظیمی لحاظ سے پولیس کے ضلعی ہیڈز، صوبائی چیف، یعنی پولیس کے کیپٹن کے ماتحت تھے۔ لیکن عملی اعتبار سے ان میں سے ہر کوئی متعلقہ سویلین اتھارٹی کے احکامات کے تابع تھا۔ درحقیقت پولیس کے سینئر افسران اپنے ماتحتوں کی محض اچھی طرح نگرانی کرنے والے تھے جبکہ ضلعی افسران کی ڈیوٹی مالیہ اور عدلیہ کے فرائض کے علاوہ اپنے متعلقہ ضلع میں امن عامہ قائم رکھنا بھی تھا۔

نیپئر ماڈل کا جواز

نیپئر کی غیر منطقی تنظیم آئرش کانسٹیبلری ماڈل اداری طور پر مختلف بنائی گئی تھی جس پر نئی سکیم کے مصنف نے ایک مقصد کے تحت عمل کرنے کی کوشش کی۔ یہ ایک بالکل غیر معقول انتظام تھا جس نے نظریاتی لوگوں کو حیران کر دیا لیکن نو آبادیاتی مقاصد پورے کرنے کیلئے یہ انتظام جائز تھا۔

پولیس ریفارم کیلئے ایسٹ انڈیا کمپنی کا تاریخی فیصلہ

ہوسکتا ہے کہ یہ بات عجیب لگے کہ آزاد خیال پس منظر رکھنے والے برٹش ایڈمنسٹریٹرز، اختیارات کی تقسیم کے اصول پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ حقیقتاً ان

میں سے زیادہ تر اس اصول کو مانتے تھے لیکن عملی طور پر ان کا قائم کیا گیا نقطہ نظر یہ تھا کہ ایگزیکٹو اتھارٹیز کی جانب سے اٹھائے گئے پولیس کے اقدام کی وجہ سے حکمرانوں کی ساکھ پورے جوش و جذبے سے قائم رہ سکتی تھی۔

تاہم لیبرالائزیشن کے کچھ نظریات نے 1838 کی برڈ کمیٹی سے جنم لیا۔ اس کمیٹی کو ہندوستان میں ایسی پولیس ریفارمز کا ہدف دیا گیا جو پیل نے 1829 میں لندن میں متعارف کرائیں۔ پولیس کی نا اہلی کی بنیادی وجہ پولیس کی نامناسب نگرانی تھی۔ اس لئے سفارش پیش کی گئی کہ پولیس کی نگرانی کی تمام تر ذمہ داری کلکٹر کے علاوہ ایک افسر کے سپرد کر دی جائے۔

برڈ رپورٹ کے بعد سخت بحث چھڑ گئی۔ ٹارچر کمیشن 1855 نے سنگین الزام عائد کیا کہ مدراس میں ریونیو اتھارٹیز غریب کسانوں سے ریونیو اکٹھا کرنے کیلئے اپنے پولیس کے اختیارات کا ناجائز استعمال کر رہی تھیں۔ اس تاریخی پیش رفت کی وجہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں نے ہندوستان میں پولیس ریفارمز کا فیصلہ کیا۔

1856 میں فراہم کردہ ثبوت کی چھان بین کرنے کے بعد ڈائریکٹروں نے احکامات جاری کئے جن میں واضح کیا گیا کہ پورے برصغیر میں پولیس کی تنظیم اس طریق پر کی جائے گی کہ ضلعی مجسٹریٹ کا پولیس کے معاملات میں کوئی کردار نہ ہوگا۔ اس جدید تنظیم کے بنیادی اصولوں پر انہوں نے پولیس کو مکمل طور پر یورپی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس کے سپرد کر دیا جو صرف اپنے محکمے کو جوابدہ تھا۔ پورے ہندوستان میں پولیس کی تنظیم نو کیلئے 24 ستمبر 1856 کا ڈائریکٹو سب سے اہم خیال کیا جاتا تھا۔ ڈائریکٹروں کے مشاہدے میں یہ بات آئی کہ ہندوستان کی پولیس ان اہداف کو حاصل کرنے سے قاصر تھی جن کیلئے اس کو قائم کیا گیا تھا۔ پولیس پر ضلعی مجسٹریٹ کے بے بنیاد اور لاحاصل کنٹرول کی بناء پر پولیس کی ناکامی کے بعد انہوں نے ہدایت جاری کی کہ:

''تمام اضلاع میں مجسٹریٹ سے پولیس کے اختیارات واپس لے کر یورپی آفیسر کے سپرد کر دیئے جائیں جس کی دیگر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی اور وہ پوری پریذیڈنسی کے جنرل سپرنٹنڈنٹ آف پولیس کو جوابدہ ہوگا۔''[9]

پولیس ایکٹ 1861

1856 کے ڈائریکٹو پر عملدرآمد کرنے سے پولیس میں پائی جانے والی کئی دیرینہ خامیوں کا خاتمہ ہو سکتا تھا لیکن 1857 کی بغاوت نے لبرل نظام کو مکمل طور پر بدل دیا۔ حالات ماضی کی طرف لوٹ گئے اور پولیس کنٹرول کو سخت کرنا پڑا تا کہ مقامی لوگوں کو قابو کیا جا سکے اور پولیس کو باغیوں کے نقش قدم پر چلنے سے روکا جا سکے۔ پولیس کو انتظامیہ سے علیحدہ کرنے کا تاریخی فیصلہ واپس لے لیا گیا اور اس بات کی پوری طرح حمایت کی گئی کہ جونیئر پولیس رینکس کو حکمرانوں کے وفادار بنانے کیلئے ایک ہاتھ یعنی ضلعی پولیس آفیسر کو آئینی اور پولیس کے اختیارات سونپنا زیادہ موثر ہوگا۔

پولیس ایکٹ 1861 کے تحت صوبائی پولیس کے چیف کی حیثیت سے انسپکٹر جنرل آف پولیس کو پولیس کی تشکیل اور اس سے کام کروانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس کی تقرری کے اختیارات مرکزی حکومت کے پاس تھے۔ لیکن تعینات ہونے کے بعد وہ صوبے میں پولیس ایڈمنسٹریشن سے متعلق تمام معاملات میں صوبائی حکومت کے ایڈوائزر کے طور پر کام سر انجام دیتا تھا۔

انسپکٹر جنرل کئی ڈپٹی انسپکٹر جنرلز کی مدد سے اپنے فرائض سرانجام دیتا تھا۔ یہ ڈپٹی انسپکٹر جنرلز علاقائی بنیادوں پر عموماً تین سے پانچ اضلاع پر مشتمل ایک گروہ جو رینج کہلاتی تھی' پر تعینات ہوتے تھے۔ ڈپٹی انسپکٹر جنرل اپنی رینج میں ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پر عمومی نگرانی کرتا تھا۔ یہ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ

مشورے، رہنمائی، لیڈرشپ اور پولیس کے کام سے متعلق معاملات میں ڈپٹی انسپکٹر جنرل سے رجوع کرتے تھے۔

ضلعی پولیس کے ہیڈ کے طور پر ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ کو پولیس کی اندرونی اقتصادیات اور اس میں ڈسپلن قائم رکھنے اور جرائم کی روک تھام، تفتیش اور سراغ سے متعلق تمام معاملات کی ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔

دوہری نگرانی کا نظام

پولیس ایکٹ 1861 کے تحت ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ سینئر پولیس افسر اور ضلعی مجسٹریٹ دونوں کے ماتحت تھا۔ قانون کی دفعہ 4 کے پیرا 2 کے تحت:

> ''ضلع کے مجسٹریٹ کے پورے مقامی حلقہ میں پولیس ایڈمنسٹریشن، جو مجسٹریٹ کی عمومی نگرانی اور ہدایت کے تابع تھی، سپرنٹنڈنٹ اور ایسے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹس، جنہیں صوبائی حکومت ضروری خیال کرے، کے سپرد کر دی جائے گی۔''

ضلع سطح پر پولیس انتظامیہ کو دوہری نگرانی کے فرائض سونپ دیئے گئے۔ انسپکٹر جنرل اپنے نائبین کے ذریعے تمام انتظامی، تکنیکی، مالی، پیشہ ورانہ او رتنظیمی کنٹرول اور ضلعی مجسٹریٹ کی نگرانی اور ہدایت کے معاملات کی نگرانی کرتا تھا۔ سپرنٹنڈنٹس آف پولیس اور ان سے سینئر افسران کی تعیناتیاں اور تبادلے انسپکٹر جنرل کی بجائے صوبائی حکومت کی ذمہ داری تھی۔

آئرش ماڈل میں پائی جانے والی دیرینہ خامیوں پر قابو پانے میں ناکامی کی وجہ سے قانون ساز اسمبلی میں متعارف ہونے کے پہلے دن ہی سے پولیس ایکٹ 1861 کے مسودے پر تنقید شروع ہوگئی۔ اسے ''نئے گلاس میں پرانی شراب'' اور ''پرانا دوست نئے روپ میں'' جیسے القابات سے پکارا جانے لگا۔ بہرحال یہ قانون اس امید سے پاس ہوگیا کہ ہندوستان میں جلد ہی پولیس کو پیل کے ماڈل کے مطابق تبدیل کر دیا جائے گا۔ تاہم سر جیمز سٹیفن جو 71-1870 میں گورنر جنرل کونسل کا رکن اور انڈین سول سروس کا سیاسی فلاسفر تھا، پولیس ریفارم کو درست تناظر میں تبدیلی کیلئے عجلت سے کام لینا چاہتا تھا۔ یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ سلطنت کے کسی حصہ میں بھی انصاف کی فراہمی تسلی بخش نہ تھی، اس نے مختصر اور جامع انداز سے بیان کیا کہ:

> ''پہلی بات یہ ذہن نشین کرنی چاہیے کہ ہندوستان میں برطانوی راج کی بقاء کیلئے ضلعی آفیسران کا عہدہ برقرار رکھنا ضروری ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ انصاف فراہم کرنے میں معمولی بہتری کی بناء پر مقامی لوگوں پر اثر ورسوخ اور اتھارٹی میں کمی واقع ہو جائے گی۔''[10]

عملی طور پر کچھ صوبوں میں حقیقی صورتحال انتہائی خراب تھی۔ چونکہ پولیس آپریشنز نہ صرف ضلعی مجسٹریٹ کنٹرول کرتا تھا بلکہ سب ڈویژن کی سطح پر اس کا ماتحت اسسٹنٹ کمشنر اور ڈویژن کی سطح پر اس کا سینئر کمشنر کنٹرول کرتا تھا، حقیقت میں پولیس سول اتھارٹیز کے ماتحت تھی۔ جس کی وجہ سے اول الذکر، موخر الذکر کی ایجنسی کے طور پر کام کرتی تھی اور عملی اعتبار سے انسپکٹر جنرل اور اس کے نائبین سے امن عامہ، بلکہ کافی حد تک اس کی اندرونی انتظامیہ کے اختیارات بھی چھین لیے گئے۔

یہ منفی اقدام، خصوصاً پولیس کے سینئر افسران کی ان کے ماتحت کام کرنے والے افراد کی مسلسل مداخلت اور پولیس ڈسپلن کی خلاف ورزی کے علاوہ پولیس کے خلاف جبر وتشدد اور بھتہ خوری کی بڑھتی ہوئی شکایات کی وجہ سے پولیس کی تنظیم پر برے اثرات مرتب ہوئے۔[11]

1902-03 کا پولیس کمیشن

بیسویں صدی کے آغاز تک صورتحال اتنی خراب ہو چکی تھی کہ گورنر جنرل، لارڈ کرزن کو ہندوستان کی انتظامیہ کیلئے پولیس ریفارم کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی۔ اس لئے جولائی 1902 میں اس نے مرکزی صوبوں کے چیف کمشنر، سر اینڈریو فریزر کی زیر صدارت ایک کمیشن تشکیل دیا جسے پولیس آرگنائزیشن کی صورتحال کے متعلق رپورٹ پیش کرنے کا کہا گیا۔

کمشنرز نے 1903 میں پیش کردہ اپنی ''تاکیدی'' رپورٹ میں بیان کیا کہ 1861 کا نظام مکمل طور پر ناکام ہو چکا تھا۔ ان کے مطابق اس کی ناکامی کی وجوہات میں سے ایک وجہ پولیس میں سول اتھارٹیز کی بے جا مداخلت تھی۔ کمشنروں کے مطابق:

> ''قانون پولیس 1861 کا مقصد دوہری نگرانی کا نظام قائم کرنا نہیں تھا بلکہ اس کا مقصد پولیس کی صورت میں ایک ایسا وسیلہ پیدا کرنا تھا جسے مجسٹریٹ کبھی کبھار اور بڑی مخصوص صورتوں میں استعمال میں لا سکتا جبکہ پولیس کے روزمرہ کام کی نگرانی صرف سینئر پولیس افسران کی ذمہ داری ہوتی۔''

لیکن مضائقہ خیز بات یہ ہے کہ فریزر کمیشن کی سفارشات پولیس کی بنیادی اور دیرینہ خامیوں کو دور نہ کر سکیں اور نہ اس میں کوئی خاطر خواہ تبدیلیاں ہی لا سکیں۔

انگریز، پولیس ریفارم کیوں نہ لا سکے؟ جبکہ اس کیلئے بہت زیادہ شہادت موجود تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ پولیس کو انتظامیہ کے ماتحت کرنا چاہتے تھے۔

کرپشن، پیشہ ورانہ مہارت کی کمی، پولیس کی ہٹ دھرمی اور اس کے نتیجے میں عوام اور پولیس میں کشیدگی۔ اس پالیسی کے ذیلی نقصانات تھے۔ یہ اس وجہ سے بھی تھا کہ انہیں پولیس کی قیود و شرائط مقرر کرنے میں کوئی کشش نظر نہیں آتی تھی۔ دوسرے لفظوں میں پولیس کی تنظیم ایسی تھی کہ جسمیں قابل لوگوں کیلئے کوئی کشش نہ تھی۔

اپنے ایک اختلافی نوٹ میں مہاراجہ دار بانگا، جو فریزر کمیشن کا واحد ہندوستانی رکن تھا، کہتا ہے کہ جج کے ذریعے چور پکڑنے کا یہ جنکشن نظریاتی طور پر یقیناً غیر معقول اور عملی طور پر نقصان دہ تھا۔ اس کے مطابق ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ اور مجسٹریٹ کے درمیان تعلق مکمل طور پر ختم ہونا چاہیے کیونکہ ان کے درمیان گہری دوستی بہت بڑے نقصان کا باعث ہو سکتی تھی۔ اس نے مزید کہا کہ بنگال میں اس کے ذاتی تجربے کی بناء پر یہ بات ثابت تھی کہ پولیس اور مجسٹریٹ کے درمیان تعلق کو ختم کیے بغیر انصاف اور مساوات ممکن نہ ہے۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ اس قسم کے لبرل اور منطقی خیالات کا اظہار کئی موقعوں پر کیا گیا لیکن انگریز راج کے تحفظ کیلئے انہیں ہمیشہ پس پشت ڈال دیا گیا۔

اس نو آبادیاتی فلسفہ کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے پولیس نے قبضہ مافیہ فورس کے فرائض نہایت احسن طریقے سے نبھائے۔ اس کردار کی وجہ سے پولیس عوام سے بہت دور ہو گئی اور اکثر یہ ان لوگوں کے جذبات کا شکار ہو جاتی تھی جو برطانوی راج کے خلاف تھے۔

پولیس ریفارم کی سیاست

یہ دلچسپ بات ہے کہ پاکستان بننے کے فوراً بعد قدیم اور ورثہ میں ملنے والی نوآبادیاتی پولیس میں ریفارم کی کوششیں شروع ہوگئیں۔ 1947 میں قائد اعظم محمد علی جناح کے سب سے پہلے ڈائریکٹوز میں سے ایک ڈائریکٹو یہ تھا کہ آئرش ماڈل کی نوآبادیاتی پولیس میں مناسب ترمیم کر کے کراچی شہر کیلئے جدید پولیس قائم کی جائے۔ اس کے مطابق سندھ اسمبلی نے فروری 1948 میں ایک مسودہ قانون (25 بابت 1948) پاس کیا۔ مسودہ قانون کے اغراض و مقاصد سے متعلق وزیر اعلیٰ ایم۔اے کھوڑو' جنہوں نے کامیابی سے مسودہ قانون پیش کیا' کہتے ہیں:

> ''جناب اعلیٰ! مسودہ قانون بہت طویل ہے لیکن بمبئی اور دوسرے شہروں میں اس کے زیادہ تر حصے کا پہلے ہی نفاذ جاری ہے۔ کراچی نے بہت ترقی کی ہے اور بہت سے لوگوں نے یہاں نقل مکانی کی ہے۔ اس کی آبادی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے اور پولیس فورس موجودہ صورتحال سے نپٹنے کے قابل نہ ہوگی۔ اس لئے بمبئی کی طرز پر ہم کراچی شہر کیلئے پولیس کمشنر مقرر کر رہے ہیں اور اس کو وہی اختیارات سونپ رہے ہیں جو بمبئی میں پولیس کمشنر کو حاصل ہیں۔ اس کے پیچھے یہی خیال کارفرما ہے۔ کرفیو' جلسے اور جلوسوں کی اجازت اور اسلحہ اور لائسنسوں کی اجازت کے سلسلے میں ہمیں اختیارات حاصل ہونگے۔ میرے خیال میں اس وقت کراچی شہر کیلئے اس مسودہ قانون کی بہت ضرورت ہے۔ اس شہر کے لئے ایک مستقل پولیس کمشنر کی ضرورت ہے۔''

اسمبلی نے 7 فروری 1948 کو مسودہ قانون کی منظوری دے دی اور سپیکر کی جانب سے توثیق اور دستخط شدہ ایک کاپی' گورنر سندھ کے ترسیلی نوٹ کے ساتھ گورنر جنرل کو بھیج دی گئی۔ حیرانی کی بات ہے کہ گورنر جنرل کے لیگل ایڈوائزر نے توثیق شدہ مسودہ قانون میں معمولی تصحیح کی اور دوبارہ منظوری حاصل کرنے کیلئے گورنر سندھ کو ارسال کر دیا۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا' ریکارڈ سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پولیس ریفارم کی سیاست نے مسودہ قانون کو گورنر جنرل تک واپس نہ جانے دیا جو اپنی گرتی ہوئی صحت کی بدولت سرکاری معاملات میں حصہ نہیں لے سکتے تھے اور بدقسمتی سے 11۔ ستمبر 1948 کو اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔

1951 میں سر اولیو گلبرٹ گریس جو اس وقت شمال مغربی سرحدی صوبہ (موجودہ صوبہ خیبر پختونخواہ) کے انسپکٹر جنرل پولیس تھے' کی زیر نگرانی ایک کمیٹی نے سفارش پیش کی کہ کراچی شہر کا نظام پولیس تبدیل ہونا چاہیے۔ تاہم افسر شاہی کی شدید مخالفت کی بناء پر ایسا ممکن نہ ہوسکا۔

1960-61 کے پاکستان پولیس (کانسٹیٹیوئنٹ) کمیشن نے کراچی شہر کیلئے میٹروپولیٹن پولیس کے مطالعہ کیلئے بھارت کا دورہ کیا لیکن کمشنروں نے اس سلسلے میں کسی قسم کی سفارشات مرتب کرنا مناسب نہ سمجھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ چونکہ دارالخلافہ پہلے ہی کراچی سے اسلام آباد منتقل ہو چکا ہے' اس لئے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

پے اینڈ سروسز ری آرگنائزیشن کمیٹی (62-1961)' جس کے سربراہ جسٹس کارنیلس تھے' نے واضح طور پر لاہور اور کراچی جیسے شہروں کیلئے میٹروپولیٹن سسٹم متعارف کرانے کی سفارش پیش کی لیکن فیصلہ سازوں نے اس پر عملدرآمد قبول نہ کیا۔

1985 میں وزیراعظم جونیجو نے پولیس کمیٹی قائم کی جس کا مقصد دوسری چیزوں کے علاوہ یہ پتہ لگانا تھا کہ پولیس ایکٹ 1861 کی بنیاد پر قائم موجودہ پولیس نظام امن عامہ کے بڑھتے ہوئے مسائل، خصوصاً پاکستان کے بڑے شہروں میں، سے نپٹنے کے قابل ہے۔اس کا دوسرا مقصد دنیا میں دیگر ممالک کی طرح میٹروپولیٹن پولیس نظام کو متعارف کرانے پر غور کرنا تھا۔اس مسئلے کی جانچ پڑتال کے بعد کمیٹی نے سفارش پیش کی کہ موجودہ قدیم پولیس نظام میں تنظیم نو کی ضرورت ہے اور اس کی جگہ میٹروپولیٹن پولیس نظام لانے کی ضرورت ہے۔خاص طور پر دارالخلافہ اور بڑے شہروں میں جن کی آبادی 5 لاکھ افراد سے زائد ہے۔ منسٹریل کمیٹی نے بھی ان سفارشات کی منظوری دے دی۔تاہم کابینہ نے اپنے خصوصی اجلاس منعقد 6 جنوری 1987 کو پولیس کمیٹی کی جانب سے مجوزہ ریفارمز پر غور کرنے کیلئے منسٹریل کمیٹی کے رکن/سیکرٹری اور وزارت داخلہ کے ایڈیشنل سیکرٹری پر مشتمل ایک وفد کو بھارت اور بنگلہ دیش بھیجنے کا فیصلہ کیا۔یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بنگلہ دیش جو 1971 تک مشرقی پاکستان تھا، نے ڈھاکہ (1976)، چٹاگانگ (1978)، کھلنا (1987) اور راجشاہی (1992) میں 1861 کے پولیس نظام کو تبدیل کرکے میٹروپولیٹن پولیس نظام قائم کرلیا ہے۔

منتخب حکومت قائم ہونے کے بعد، بے نظیر بھٹو نے 12۔اپریل 1989 کو پولیس سروس آف پاکستان ایسوسی ایشن سے اپنے تاریخی خطاب میں اعلان کیا کہ پاکستان منتخب شہروں میں تجرباتی بنیادوں پر پرانے پولیس نظام کی بجائے میٹروپولیٹن پولیس نظام رائج کیا جائے گا۔یہ اس وقت کی بات ہے جب انہوں نے پولیس کے تمام تنظیمی ڈھانچے کو اپ گریڈ کردیا۔ (کانسٹیبل BS-2 سے BS-5، ہیڈ کانسٹیبل BS-3 سے BS-7، اسسٹنٹ سب انسپکٹر BS-5 سے BS-9، سب انسپکٹر BS-11 سے BS-14، انسپکٹر BS-14 سے BS-16، سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس BS-18 سے BS-19، ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس Bs-19 سے BS-20، اور انسپکٹر جنرل پولیس BS-20/21 سے BS-22) وزیر اعظم نے آٹھ سینئر ایڈیشنل/انسپکٹر جنرلز پولیس کو BS-22 میں ترقی دینے کا بھی اعلان کیا۔ (اعلان کے بعد ڈائریکٹو نمبر 89/FDS(IMP)PMDIR/114، مورخہ 04-05-1989 جاری کیا گیا) تاہم اسی اثناء میں سیکرٹری داخلہ کی زیر قیادت ایک اور وفد بھارت اور بنگلہ دیش بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔دلچسپ امر یہ ہے کہ یہ وفد 1861 کے نظام کو تبدیل کرنے کے حق میں مضبوط سفارشات لے کر واپس آیا۔

دو اراکین پر مشتمل وفد، 1861 کے نظام کی خوبیوں اور خامیوں پر مشہور ماہرین سے تفصیلی بحث/انٹرویو کے بعد جب وطن واپس آیا تو وہ پوری طرح قائل ہو چکے تھے کہ پولیس کمیٹی کے مجوزہ پولیسنگ نظام کو ترجیحی بنیادوں پر کراچی، لاہور اور اسلام آباد جیسے بڑے شہروں میں متعارف کرانا ضروری ہے۔تاہم، اس سے پہلے کہ اس کے بارے میں کوئی اقدام اٹھایا جاتا، وقت کا دھارا بدل کر موجودہ صورتحال کی طرف مڑ گیا۔مئی 1988 میں وزیراعظم جونیجو کی حکومت گرادی گئی جس سے پولیس کی دیرینہ ریفارم کو ایک دفعہ پھر بہت بڑا دھچکا لگا۔

سرجسٹر ڈیبرٹ، ملکہ برطانیہ کے چیف انسپکٹر آف کانسٹیبلری کی زیر قیادت چار رکنی وفد نے 21 تا 26 جنوری 1990 پاکستان کا دورہ کیا۔اس وفد کے مطابق پاکستان کا پولیس نظام برطانوی دور کی پولیس کا تسلسل ہے جن کو بنیادی طور پر حکمران مقرر کرتے تھے اور 1985 کی پولیس کمیٹی کی وضع کردہ سفارشات پر پوری پولیسنگ فلاسفی میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں پولیس کا اہم مسئلہ یہ ہے کہ موجود نظام نوآبادیاتی حکومت کے دور میں بہت پہلے وضع کیا گیا تھا اور بیسویں صدی کی آخری دہائی میں ملک کی بدلتی ہوئی صورتحال کے پیش نظر اس میں کوئی بہتری نہ لائی گئی تھی۔ پورے پاکستان میں پولیس، پولیس ایکٹ 1861 کے تحت کام کرتی ہے

جس میں اس کا بنیادی کردار امن عامہ کو قائم رکھنا اور ڈرانے اور دھمکانے کے حربوں کے ذریعے موجودہ صورتحال کو قائم رکھنا تھا۔

پولیس ریفارمز عملدرآمد کمیٹی نے یکم مارچ 1990 کو اپنی حتمی رپورٹ پیش کی جس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ کراچی' لاہور اور اسلام آباد میں میٹروپولیٹن پولیس سسٹم متعارف کرانے سے متعلق مزید کسی حیل وحجت اور تاخیر کے بغیر وزیراعظم کے ڈائریکٹو پر عملدرآمد کیا جائے۔

اقوام متحدہ کے کرائم پریونشن اینڈ کریمنل جسٹس کے انٹر ریجنل ایڈوائز' ونسٹ ایم ڈیل بیونو کی زیر قیادت اقوام متحدہ کے ایک مشن نے 26۔مارچ 1995 کو پاکستان کا دورہ کیا۔مشن نے کئی اہم سفارشات پیش کیں اور زور دیا کہ تنظیم نو کے عمل کا پہلا اقدام یہ ہے کہ ملک کے تمام سیاسی حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ ایک بنیادی پالیسی تیار کریں جس کے تحت مستحکم جمہوری حکومت کے اداروں کیلئے ایک موثر قابل عمل اور آزاد لیکن عوام کو جوابدہ پولیس کا نظام قائم کیا جائے۔ مشن کے مطابق موجودہ بحران ایسے نہیں آیا۔حکومت پاکستان نے 1960 سے لے کر 11 مختلف کمیٹیاں یا کمشنز تشکیل دیئے اور حکومت پاکستان کی درخواست پر 4 بین الاقوامی مشنز نے پاکستان کا دورہ کیا۔ ان سب نے پاکستان کی پولیسنگ میں ریفارم کی سفارشات پیش کیں۔ ان کو زیادہ تر نظرانداز کیا گیا اور اس کے حل پر عملدرآمد نہ ہوسکا۔ اگر مجوزہ ریفارمز پر عملدرآمد ہوجاتا تو موجودہ بحران سے کافی حد تک چھٹکارا ممکن تھا۔موجودہ پولیس نظام جس کو بار بار آنے والی حکومتوں نے مزید خراب کر دیا اور اسے سیاسی مقاصد کیلئے استعمال کیا جانے لگا' بہت سے انفرادی افسروں اور جوانوں کی لگن' دیانتداری اور پیشہ ورانہ صلاحیت کی وجہ سے یہ نظام ابھی تک پوری طرح تباہ نہیں ہوا۔ ان کوششوں کے باوجود قانون نافذ کرنے والے ادارے اگر مضبوط نہ کیے گئے تو نہ صرف کراچی بلکہ ملک کے دیگر حصوں میں بھی پولیسنگ تباہ ہوجائے گی۔''

اس کے بعد حکومت پاکستان کی دعوت پر ڈائریکٹر جنرل نیشنل پولیس ایجنسی مسٹر سیکائن کی قیادت میں جاپانی پولیس کے ماہرین کی ایک ٹیم نے اپریل 1996 میں پاکستان کا دورہ کیا۔ جاپان میں 1947 تا 1954' پولیس ریفارمز کا تجزیہ کرنے کے بعد ٹیم نے مشاہدہ کیا کہ پاکستان میں پولیس اور عوام میں اعتماد کا رشتہ پیدا کرنے کیلئے پولیس ریفارمز ضروری ہیں اور پولیس کو لوگوں کی خدمت کرنے کا رویہ اپنانا چاہیے۔ پولیس اور عوام میں اعتماد بحال کرنے کیلئے ٹیم نے درج ذیل اقدامات کا مشورہ دیا:

ا۔ پولیس کے ڈھانچے میں اس طرح کی تبدیلی کی جائے کہ یہ غیر جانبدار اور جمہوری کنٹرول میں رہے۔
۲۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان ذمہ داریوں کی تقسیم مناسب ہو۔
۳۔ پولیس کی کمانڈ کی یکساں چین کو اپنانا۔
۴۔ میرٹ کی بنیاد پر بھرتیاں

ستم ظریفی یہ ہے کہ وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے اپنے دوسرے دور حکومت (1993-96) میں بھی دارالخلافہ شہروں میں میٹروپولیٹن پولیس سسٹم متعارف کرنے کی طرف زیادہ توجہ نہ دی حالانکہ 1989 میں انہوں نے اس کا اعلان کیا تھا۔

مارچ 1998 میں پاکستان مسلم لیگ (ن) کی حکومت کا 2010 کے گڈ گورننس گروپ پروگرام نے جاپان رپورٹ کی بنیاد پر سفارش پیش کی کہ پولیس میں سیاسی مداخلت نہیں ہونی چاہیے اور ان کی بھرتیاں' تعیناتیاں' تبادلے' تربیت اور کیئرڈ ویلپمنٹ میرٹ پر ہونی چاہیے

کراچی میں پائیدار امن پر اپنی فروری 1999 کی رپورٹ میں' کولمبیا کے ماہرین نے موجودہ صورت حال سے واضح قطع تعلق کی سفارش کی۔ ان کا

مانتا تھا کہ ''اگر ایک پیشہ ورانہ طور پر اہل' سیاسی طور پر غیر جانبدار اور جمہوری کنٹرول والی کراچی میٹروپولیٹن پولیس فورس تشکیل نہ دی گئی تو پولیس ریفارم یا پبلک سیکٹر کی تعمیر نو نہ ہو سکے گی' یہ دونوں پائیدار امن کے اہم عناصر ہیں''۔ (پولیس ریفارم کی اہم کوششوں کی فہرست ضمیمہ الف پر موجود ہے)۔

جامع پولیس ریفارم کا سفر

اندرونی طور پر اس کے تنظیمی بحران اور بیرونی طور پر پولیس کا عوام سے رویہ بہتر ہونے اور 1947 میں نوآبادیاتی نظام حکومت کے خاتمے پر معاشرے میں تبدیلی کی وجہ سے 1861 کا پولیس نظام انحطاط کا شکار ہونے لگا۔اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی ایسی پش چیئر جو بچے کیلئے بنائی گئی ہو' پر کوئی بڑا شخص بیٹھ جائے اور ایک تیز ڈھلوان پر بچے کو اسے ایک شہر سے دوسرے شہر کھینچ کر لے جانا پڑے۔ یہ پولیس تنظیم کی از سر نو تشکیل کے بغیر ممکن نہ تھا۔

بیسویں صدی کی آخری دہائی میں موجودہ امن عامہ کا نظام تقریباً مکمل طور پر تباہ ہو گیا۔اس کی بنیادی وجہ پولیس انتظامیہ کے اہم معاملات میں بااثر افراد کی بے جا مداخلت تھی۔ اس میں حیرت کی بات نہیں چونکہ نوآبادیاتی نظام' یعنی حکومت کے مقاصد کے لئے وضع کیا گیا پولیس نظام' ایسے لوگوں کی توقعات پر پورا نہیں اتر سکتا تھا جو آزادی اور قانون کی حکمرانی کے ثمر سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔

پولیس کے خلاف عام شکایات میں عام آدمی سے نارواسلوک' نظر انداز کرنے کے واقعات' نااہلی' سستی' جبر' اختیارات کے ناجائز استعمال کو روکنے کیلئے شہریوں کی درخواستوں پر رد عمل ظاہر نہ کرنا اور ہٹ دھرمی اور بڑھتی ہوئی کرپشن' شامل تھیں۔مرضی کے مطابق پولیسنگ تقریباً ناپید تھی۔ شہری پولیس سے بہت کم تعاون کرتے تھے۔لوگ پولیس کو قانون نافذ کرنے والے ادارے کی بجائے بدعنوان' بے حس اور سیاسی قوت سمجھتے تھے جو صرف طاقتور لوگوں کے مفادات کے تحفظ کیلئے کام کرتی تھی۔

پولیس اور عوام میں پائی جانے والی کشیدگی نے اچانک جنم نہیں لیا تھا۔زیادہ تر شہریوں کیلئے پولیس کی بدسلوکی روزمرہ زندگی کی ایک تلخ حقیقت تھی' دراصل وہ کئی نسلوں سے پولیس کی بدسلوکی برداشت کر رہے تھے۔ اسی رویے کی بناء پر تبدیلی رونما ہوتی ہے۔سول سوسائٹی کے لیڈروں کی جانب سے سخت تنقید کے باوجود پولیس کا رویہ نرم ہونا چاہیے تھا۔مشکل حالات میں جب عام شہری کچھ کرتے تھے تو ان کے خلاف شکایات آتی تھیں لیکن پولیس کے خلاف شکایات پر کوئی دھیان نہیں دیتا تھا۔پولیس کے انتظامات ناکافی' عوامی اعتماد سے محروم ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم نہ تھے۔

کسی بھی صورت میں زیادہ تر شہری' اختیارات کے ناجائز استعمال پر پولیس کے خلاف شکایت نہیں کرتے تھے۔ان کا ماننا تھا کہ پولیس جو چاہے کر سکتی ہے اور جو چاہے لے سکتی ہے۔ پولیس کی پولیسنگ کرنے کا کوئی قابل بھروسہ طریقہ نہ تھا ماسوائے اس حقیقت کے کہ ان کی کمانڈ کے پاس ان کے احتساب کے سخت اختیارات تھے۔ پولیس پر عوام کا اعتماد اس سے کبھی کم نہیں ہوا تھا۔ہم جانتے تھے کہ اس کی وجہ کیا تھی۔ہم اس کا حل بھی جانتے تھے لیکن ایک عوام دوست ڈیزائن مرتب کرنے میں ہمیں پولیس قیادت اور حکومتی اعلیٰ عہدیداروں کی ناکامی کا مسلسل سامنا تھا۔

لوگوں کو پولیس میں بنیادی تبدیلی کی ضرورت تھی کیونکہ نوآبادیاتی نظام حکومت کیلئے وضع کی گئی پولیس آرگنائزیشن بکھر چکی تھی۔اس کے بکھرنے کی کئی وجوہات تھیں جن میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی' فرقہ واریت' ہتھیاروں کا پھیلاؤ' آبادی میں اضافہ اور جدید طرز زندگی شامل ہیں۔ 1990 کی دہائی میں ہونے والی دہشت گردی سے ہزاروں لوگ لقمہ اجل بن گئے اور کراچی شہر کو موت کا شہر کے لقب سے پکارا جانے لگا۔محض

1995 میں کراچی پولیس کے افسران اور جوانوں کی سب سے بڑی تعداد (260 سے زائد) دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید ہوئی۔ معشیت کو کروڑوں روپے کا نقصان ہوا۔ کراچی پولیس کی پیشہ ورانہ قیادت کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جنہوں نے تقریباً چھ ماہ کے عرصہ میں دہشت گردی کی بلا کو قابو کرلیا۔[15] تاہم حکومت، کراچی میں امن عامہ برقرار نہ رکھ سکی، جس کی وجہ سے صورتحال بدل گئی اور نتیجے میں لوگوں کا معیار زندگی متاثر ہوا۔ معشیت کی رفتار کم ہوگئی اور بین الاقوامی سطح پر پاکستان کا نام بدنام ہوا۔

قانون کا صحیح نفاذ نہ ہونے کی وجہ سے بھی پاکستان میں ابھرتے ہوئے جمہوری نظام، اس کی معیشت اور شہریوں کے تحفظ، فلاح اور سالمیت کو سخت خطرہ لاحق ہوا۔ پولیس، سول آرمڈ فورس، سکیورٹی ایجنسیوں پر کروڑوں روپے خرچ ہونے کے باوجود شہریوں میں عدم تحفظ کی فضا پائی جاتی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ قانون کے نفاذ کا نظام وضع ہی ایسے کیا گیا تھا کہ وہ کام نہ کرے۔

اس مسئلے کا حل یہ تھا کہ پولیس کے کام کرنے کے طریقے کار کو فوری تبدیل کیا جائے۔ قانون کی حکمرانی ایک صدی سے زائد پرانے پولیس کے طریقوں کی بجائے کمیونٹی پولیسنگ رائج کرنے اور پولیس، جو شہریوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں بری طرح ناکام ہو چکی تھی، کی تشکیل نو کیلئے ضروری تھا کہ پولیس میں پیشہ ورانہ ذیلی کلچر کو فروغ اور اسے مناسب تربیت دی جاتی۔ یہ وہ وقت تھا جب پولیس پاکستان کے لوگوں سے کسٹمر سروس کنٹریکٹ کر سکتی تھی۔

یہ ایک زیادہ موثر، مستعد، محرک، جوابدہ پولیسنگ کی نئی گارنٹی تھی۔ یہ کامیاب منصوبوں پر عمل کرنے اور ناکام منصوبوں سے چھٹکارا پانے کا وقت تھا۔

پولیس کی تنظیم نو کا وقت آ گیا جب حکومت پاکستان نے نومبر 1999 میں پولیس ریفارمز کیلئے فوکل گروپ تشکیل دینے کا فیصلہ کیا۔ اس فوکل گروپ کے ذمہ، پولیس میں بنیادی تشکیل سے متعلق مشورہ دینا تھا۔[16] اس فوکل گروپ نے فروری 2000 میں اپنی سفارشات پیش کیں جو سول سوسائٹی اور میڈیا نے بڑی گرمجوشی سے قبول کیں اور ان پر کافی بحث ہوئی۔ اسی اثناء میں حکومت پاکستان کے نیشنل ریکنسٹرکشن بیورو (این۔ آر۔ بی) نے گڈ گورننس اور اختیارات کی منتقلی کے پروگرام کے تحت پولیس کی دیرینہ ریفارمز کو اہمیت دینے کا فیصلہ کیا۔

پولیس ریفارمز کیلئے این۔ آر۔ بی کا تھنک ٹینک برطانیہ سے تعلق رکھنے والے ایک جسٹس آف پیس اور تین سینئر پولیس افسران پر مشتمل تھا جو پولیس سے اچھی واقف تھے، وہ جانتے تھے کہ کیا درست ہے اور کیا غلط اور چیزوں کو کیسے تبدیل کرنا ہے۔ اس تھنک ٹینک نے زیادہ سے زیادہ پولیس اہلکاروں سے بات کی۔ اس نے تمام فریقین یعنی پورے پاکستان سے لوگوں کی بات سنی اور ان کے خیالات جانے۔ اس نے عدلیہ اور دیگر کریمینل جسٹس نظاموں کے ماہرین سے مشورہ لیا۔ اس نے بڑے بڑے بزنس لیڈروں، جو نت نئے طریقوں سے اپنی آرگنائزیشنز میں بہتری لائے تھے، سے مفید بات چیت کی۔

اس تھنک ٹینک نے سرکاری انتظامیہ کے ماہرین جو یہ جانتے تھے کہ پبلک سیکٹر آرگنائزیشنز کی تشکیل نو کے اصولوں کے تحت پولیس سروس میں کس طرح بہتری لائی جاسکتی تھی، سے مشورے کیے۔ مختصراً اس تھنک ٹینک نے نجی، سرکاری اور سول سوسائٹی کے قابل لوگوں سے بامعنی مذاکرات کیئے۔

جب 1861 کے پولیس قانون کا جواز باقی نہ رہا تو تھنک ٹینک بہت جلد اس نتیجے پر پہنچا کہ پولیس کو پرانے نوآبادیاتی سانچے سے نکال کر موجودہ دور کے آزاد معاشروں کی پولیس کے مطابق تبدیل کرنا ہوگا جس کا مقصد مقامی لوگوں کی بجائے آزاد لوگوں کی پولیسنگ کرنا ہو۔ اس سلسلے میں

این۔آر۔بی میں مندرج اہم نکات یہ ہیں۔(اے) اکیسویں صدی کے امن عامہ کے مسائل سے نپٹنے کیلئے پاکستان پولیس کو کس قسم کی تنظیم درکار ہے؟ (دوم) پولیس اور عوام میں موجودہ کشیدگی کی فضا کو کم کرنے کیلئے کونسا ماڈل سب سے زیادہ فائدہ مند ہوگا؟ (سوم) یہ تنظیم کس طرح جمہوری کنٹرول میں دی جائے پھر بھی یہ سیاسی طور پر غیر جانبدار رہے۔

این۔آر۔بی فوکل گروپ، پولیس ریفارمز کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی غور وخوض کے بعد، اس نتیجے پر پہنچا کہ ہر تنظیم، سرکاری ہو یا نجی، صرف اسی صورت میں اچھی کارکردگی دکھا سکتی ہے جب اس کی بنیاد درست تنظیمی اصولوں پر رکھی گئی ہو۔ پاکستان پولیس کے معاملے میں کئی سالوں سے ان اصولوں کی سخت خلاف ورزی ہورہی ہے۔ اس کے نتیجے میں ایک کرپٹ، نااہل اور سیاسی پولیس فورس نے جنم لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ امن عامہ قائم رکھنا مشکل ہوگیا۔ پولیس کو ایک جمہوری ریاست کے آلہ کار کی بجائے سیاسی انتظامیہ کے ایجنٹس کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ مخالفین کے خلاف مخصوص درخواستیں، سیاسی مخالفت یا بااثر افراد کی ایماء، استثناء کی بجائے معمول بن چکا تھا۔ ریاست کے آلہ کار کے ذریعے سیاسی اور ذاتی لڑائیاں لڑی جاتی تھیں اور ان میں کامیابی حاصل کی جاتی تھی۔ مجرموں یا نسلی، فرقہ وارانہ یا دیگر طاقتور عناصر کے دباؤ، ترغیب یا دھمکی کی زد میں جو کوئی بھی آتا، کچل دیا جاتا تھا۔ اس کا مجموعی نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں نے پولیس کو قانون نافذ کرنے والی تنظیم کی بجائے بااثر افراد کے ایجنٹس کے طور پر سمجھنا شروع کر دیا۔

ریفارم کی طرف پہلے قدم کے طور پر این۔آر۔بی اس نتیجے پر پہنچی کہ امن عامہ قائم رکھنے کی ذمہ داری صرف پولیس کے سپرد ہونی چاہیے۔

پولیس کی تنظیمی ڈھانچے کی، پولیس کی تنظیم اور فورس کی اندرونی انتظامیہ کے علاوہ امن عامہ قائم رکھنے سے متعلق دیگر معاملات کی ذمہ داری بھی ہے۔

المختصر پولیس دوہری ڈیوٹی نہیں ادا کرے گی۔ ایک علیحدہ مگر متعلقہ پیش رفت کے نتیجے میں چیف ایگزیکٹو نے 14۔اگست 2001 کو ضلعی مجسٹریٹ کا عہدہ ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ دوئم، یہ فیصلہ کیا گیا کہ نئے قانون کے تحت پولیس کو پیشہ ورانہ اہل، عملی طور پر غیر جانبدار کام کے اعتبار سے ہم آہنگ اور تنظیمی اعتبار سے ذمہ دار بنایا جائے۔ جس کے نتیجے میں پولیس ایکٹ 1861 منسوخ ہو جائے گا۔

پولیس آرڈر2002

2002 میں منظم ہونے والی پولیس فورس کسی خوف یا طرفداری کے بغیر قانون نافذ کرنے کیلئے پوری طرح لیس نہ تھی۔ اس کا اہم مقصد بااثر افراد کی خدمت کرنا تھا۔ یہ نہ تو غیر جانبدار تھی اور نہ ہی اسے عوام کا اعتماد حاصل تھا۔ قانون کے دائرے میں آزادی، جمہوریت کا حسن ہے۔ جمہوری حکومت میں تمام شہریوں کے حقوق یکساں ہوتے ہیں اور ہر کسی کو قانون کے تحت اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ جمہوریت کا تقاضا ہے کہ معاشرے کی مقرر کردہ حدود، جو ان کے سیاسی رہنماؤں نے مقرر کی تھیں اور جو لوگوں کے مفاد کے تحفظ کو یقینی بناتی تھیں، کی خلاف ورزی کرنے والے افراد (یا گروہ) کو قانون کے مطابق سزا دی جا سکے۔ ایک مہذب معاشرے میں قانون کے تحت ہر شخص سے مساوی سلوک کیا جاتا ہے۔ اس طرح جمہوریت میں بھی قانون نافذ کرنے والوں کی ساکھ اس طرح کی ہونی چاہیے کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی امیر یا بااثر ہو، کسی بھی صورت میں قانون کے لمبے ہاتھوں کی پہنچ سے باہر نہ ہو۔

یہ پیپر اس تبدیلی کے بارے میں ہے جس تبدیلی کی عرصے سے خواہش کی جا رہی ہے اور جو اس طریقے کار کے حوالے سے ہے جس پر ماضی میں پاکستانی پولیس کام کرتی رہی ہے۔ اس کا مقصد ایسی پولیس فورس کی تشکیل ہے جو قانون کی عملداری کیلئے بہتر طریقے سے کام کرے۔ بڑی حد تک اس پولیس فورس کا تصور پولیس آرڈر2002 میں موجود تھا جو 14۔ اگست 2002 کو جاری ہوا تھا۔ اس پولیس آرڈر نے پاکستان کے چاروں صوبوں، پنجاب، سندھ، خیبر پختونخواہ اور بلوچستان میں 141 سال پرانے پولیس ایکٹ 1861 کی جگہ لی تھی۔ البتہ اسلام آباد دارالحکومت، گلگت بلتستان اور آزاد جموں کشمیر میں ایسا نہ ہوا۔

پولیس آرڈر2002 کے ذریعے پولیس کو آپریشنل خودمختاری اور غیر قانونی سیاسی مداخلت سے آزادی دی گئی۔ زیادہ اہم بات یہ ہے اس آرڈر کے ذریعے پولیس کو بیرونی اداروں کے سامنے زیادہ جوابدہ بنا دیا گیا۔ پولیس آرڈر2002 کی تمہید میں تحریر ہے:

''ہر گاہ پولیس، آئین، قانون اور عوامی امنگوں کے مطابق کام کرنے کی پابند ہے۔''

پولیس آرڈر کا مطمع نظر پولیس کو آزادانہ، شفاف، منصفانہ، خودمختارانہ اور پیشہ ورانہ انداز سے کام کرنے کا اہل بنانا ہے۔ چونکہ پولیس کا اصل مقصد بلاخوف وخطر اور کسی شخص کی طرفداری کئے بغیر قوانین کا نفاذ کرنا ہے، پولیس آرڈر پولیس کے فرائض، اختیارات اور اس پر کنٹرول کی نئی تشریح کرتا ہے۔

پولیس آرڈر کا آرٹیکل 9 کہتا ہے کہ پولیس پر حکومتی کنٹرول کا اختیار اس طرح استعمال ہونا چاہیے کہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ پولیس اپنے فرائض مستعدی اور قانون کی مطابقت سے سرانجام دے۔

پولیس آرڈر میں مذکورہ پبلک سیفٹی کمیشن اور پولیس کمپلینٹ اتھارٹی کے نئے اداروں کا مقصد پولیس میں پالیسی سازی اور احتساب کے عمل کو موثر اور معتبر بنانا ہے۔

جاپان میں 1947 میں پبلک سیفٹی کمیشن کے نظام کے متعارف ہونے کے بعد پولیس کے احتساب اور رویے میں آنے والی بہتری پر تبصرہ کرتے ہوئے بیلے (Bayley) (1991) نے لکھا:

''حقیقت یہ ہے کہ جنگ عظیم دوم کے فوری بعد تھوڑے عرصے کے دوران جاپان میں پولیس کے رویے میں تبدیلی آئی ہے۔ یہ جمہوری عمل سے

منسلک ہے اور بعد از جنگ عرصہ کی سب سے قیمتی پیش رفت ہے۔ پولیس کے حوالے سے جاپان کا موجودہ ریکارڈ نہایت اعلیٰ ہے اور یہ نہ صرف امریکا بلکہ جاپان کے اپنے ماضی کے لحاظ سے شاندار ہے۔''

پولیس آرڈر، پولیس افسران کو اندرونی احتساب کا بہت سخت ہتھیار فراہم کرتا ہے جس سے غلط روی کے مرتکب سرکش افسران کے خلاف انضباطی کارروائی ہو سکے گی۔ پولیس آرڈر کے آرٹیکل 155 کے تحت کسی پولیس اہلکار کی جانب سے قانون یا کسی قاعدے یا ضابطے کی جان بوجھ کر کی گئی خلاف ورزی ایک مجرمانہ فعل ہے جس کی سزا تین سال قید اور جرمانہ ہے۔ آرٹیکل 156 کے تحت اگر کوئی پولیس اہلکار کسی جگہ غلط طور پر داخل ہوتا ہے، تلاشی لیتا ہے یا املاک ضبط کرتا ہے یا اپنی کسٹڈی میں موجود کسی شخص پر تشدد کرتا ہے تو یہ ایک سنگین جرم ہوگا جس کی سزا 5 سال قید اور جرمانہ ہوگی۔

اگر اس آرڈر پر اس کی روح کے مطابق عمل کیا جائے تو پولیس آرڈر اکیسوی صدی کے امن عامہ کے چیلنجوں سے نمٹنے کیلئے تنظیمی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس کا مطمع نظر ''پرانے پولیس کلچر'' میں بنیادی تبدیلی لانا اور اس تنظیم کو قانون کی عملداری کے قیام اور فروغ کیلئے ایک وسیلہ میں تبدیل کرنا ہے۔ بلاشبہ، پولیس کا یہ نیا قانون مستعد پولیس آپریشن، بہتر معیار کی فیصلہ سازی، فورس کے بہتر نظم وضبط اور داخلی نگرانی اور بیرونی احتساب کی تشکیل نو کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ تاہم پولیس آرڈر 2002 میں جلد بازی میں کی گئی ترامیم نے پولیس کی آپریشنل خودمختاری کو تحلیل، بیرونی اداروں کی جانب سے نگرانی کو کم موثر اور درحقیقت اس اصلاحی کوشش کے اصل مقصد کو شکست دے دی ہے۔

پولیس آرڈر ترمیم آرڈیننس 2004

پولیس آرڈر 2002 ایک پیشہ ور خدمات کا حامل اور قابل احتساب پولیس سروس کا تصور پیش کرتا ہے۔ یہ پولیس کا کردار، فرائض اور ذمہ داریوں کی ایسی نئی تشریح پیش کرتا ہے جس میں جرائم کی روک تھام، ایک سماجی مقصد کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ پولیس آرڈر 2002 لوگوں کی رضا کارانہ حمایت اور تعاون کا متقاضی ہے بلکہ یہ پولیس کو پاکستان میں قانون کی عملداری کی ثقافت لانے کیلئے پیش بینی سے اقدام کرنے کا اہل بھی بناتا ہے۔

ان مقاصد کے حصول، اور پولیس کی آپریشنل غیر جانبداری کو یقینی بنانے اور ضروری نگرانی کیلئے متعدد آزاد اداروں کا بھی تصور پیش کیا گیا۔ ان میں قومی صوبائی اور ضلعی سیفٹی کمیشن، آزاد پولیس کمپلینٹس اتھارٹیز، ضلعی کریمنل جسٹس کوآرڈینیشن کمیٹیاں، نیشنل پولیس مینجمنٹ بورڈ، نیشنل پولیس بیورو اور سٹیزن پولیس لائزان کمیٹیاں شامل ہیں۔

پولیس آرڈر پر اس کی روح کے مطابق عملدرآمد کو یقینی بنانے کی بجائے، پنجاب حکومت کے دباؤ پر وفاقی حکومت نے نومبر 2004 میں دو سال پرانے اس قانون میں متعدد ترامیم کیں جس کے اہم پہلوؤں پر ابھی عملدرآمد ہونا باقی تھا۔ بالخصوص ان ترامیم کا مقصد پولیس کے اہم عہدوں اور نگران اداروں میں تعیناتی کے حوالے سے حکومتی اختیارات میں اضافہ کرنا تھا تا کہ ان کی آزادی اور خودمختاری کو محدود کیا جا سکے۔ صوبائی پولیس کمپلینٹس اتھارٹیز کو تو بالکل ختم کر دیا گیا۔ اگرچہ پولیس آرڈر 2002 کا بنیادی مقصد پولیس کو غیر سیاسی بنانا تھا لیکن جلد بازی میں کی گئی ان ترامیم نے دراصل پولیس کو سیاسی بنانے کا قانونی جواز مہیا کر دیا۔

پولیس آرڈر ترمیمی آرڈیننس کے منفی پہلوؤں میں درج ذیل شامل ہیں:

۱۔ ضلع اور صوبائی سطح پر پبلک سیفٹی کمیشن اور پولیس کمپلینٹس اتھارٹیز کا ادغام

۲۔ پبلک سیفٹی کمیشن کی تشکیل میں تبدیلی

۳۔ پبلک سیفٹی کمیشن کے آزاد ارکان کے انتخاب کے طریق کار میں تبدیلی

۴۔ پولیس کو غیر قانونی احکامات کے خلاف حاصل دادرسی کا حق واپس لے لیا گیا

۵۔ صوبائی پولیس افسران کے چناؤ کے طریقے کار میں تبدیلی

۶۔ ڈسٹرکٹ پولیس افسران کی سالانہ کارکردگی رپورٹ کا ضلع ناظم کی جانب سے تحریر کیا جانا۔

۷۔ ''براہ راست''، ''حقائق معلوم کرنے والی انکوائری'' اور ''نگرانی''، جیسی اصطلاحات کی تعریف کا اضافہ

۸۔ پبلک سیفٹی کے معاملات میں ''گورنر'' کا کردار ''حکومت'' کو دیا جانا۔

درج ذیل جدول میں پولیس آرڈر ترمیمی آرڈیننس 2004 کے ذریعے کی جانے والی ترامیم کا تقابلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

پولیس آرڈر 2002: ترامیم سے قبل اور بعد

نمبر شمار	موضوع	ترمیم سے قبل	ترمیم کے بعد
1	پی پی او کی تعیناتی کے بارے میں سفارش [آرٹیکل (1)11]	این پی ایس سی	وفاقی حکومت
2	پی پی او کی قبل از مدت تبدیلی/ واپسی [آرٹیکل (2)12]	صوبائی حکومت پی پی ایس سی کی رضامندی سے پی پی او کو واپس بھیج سکتی ہے	صوبائی حکومت وفاقی حکومت کی منظوری سے پی پی او کو مقررہ مدت سے پہلے واپس بھیج سکتی ہے۔ پی پی ایس اور پی سی کی رضا مندی کی ضرورت نہیں
3	پی پی او یا سی سی پی او کی واپسی [آرٹیکل (6)12]	وفاقی حکومت، مقررہ مدت سے قبل صرف این پی ایس سی کی رضامندی سے ہی پی پی او یا سی سی پی او کو واپس بلاسکتی ہے	وفاقی حکومت، اپنی مرضی سے مقررہ مدت سے قبل پی پی او یا سی سی پی او کو واپس بلاسکتی ہے۔ این پی ایس سی کی رضا مندی کی ضرورت نہیں۔
4	ڈی پی او کی تعیناتی [آرٹیکل (6)12]	پی پی او حکومت کی مشاورت سے ڈی پی او کی تعیناتی کرے گا	پی پی او حکومت کی منظوری سے ڈی پی او کی تعیناتی کر سکتا ہے
5	سی پی او، ڈی پی او کی قبل از مدت ٹرانسفر [آرٹیکل (3)15]	سی پی او یا ڈی پی او کو مقررہ مدت سے قبل ضلع ناظم اور ڈی پی ایس سی کے رضامندی سے صرف اس وقت تبدیل کیا جا سکتا ہے جب ڈی پی ایس سی اسے ذاتی شنوائی کا موقع دے	سی پی او یا ڈی پی او کو حکومت کی منظوری سے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ ضلع ناظم یا ڈی پی ایس اور پی سی سی کی رضامندی درکار نہیں
6	شعبہ تفتیش کی علیحدگی [آرٹیکل 18]	تفتیش کے لئے علیحدہ شعبہ تخلیق کیا گیا اور پولیس تھانوں اور ضلعی سطح پر خاص اس مقصد کے لئے افسران مقرر کئے گئے	پولیس تھانوں میں تفتیشی شعبہ کو ایس ایچ او کے عمومی کنٹرول کے تحت رکھا گیا، جبکہ تفتیشی امور کے لئے یہ اپنے شعبے کے افسران کو جوابدہ ہوں گے
7	اس افسر کے عہدے کی میعاد جس کے ماتحت ایک پولیس ڈویژن، سب ڈویژن یا پولیس سٹیشن ہو [آرٹیکل 21]	عہدے کی میعاد مذکور نہ ہے	عہدے کی مدت مذکور ہے اور تین سال ہے
8	پولیسنگ پلان کی تیاری [آرٹیکل (1)32]	ضلعی پولیس کا سربراہ، ضلع ناظم کی مشاورت سے پولیسنگ پلان ترتیب دے گا	ضلعی پولیس کا سربراہ، ضلع ناظم کے اشتراک سے پولیسنگ پلان ترتیب دے گا
9	ضلعی پولیس کے سربراہ کی PER تحریر کرنے میں ضلع ناظم کا کردار [آرٹیکل (3)33]	کوئی کردار نہیں	ضلع ناظم رپورٹ تحریر کرے گا جسے افسر کی ترقی کے وقت زیرغور لایا جائے گا

10	حکومتی عہدیداروں کی پولیس معاونت [آرٹیکل (1)34]	کوئی کردار نہیں	اگر پولیس معاونت فراہم کرنے میں ناکام رہے تو یہ ضلعی پولیس کے سربراہ کو مطلع کرے گی جو ضلع ناظم کو اس سے مطلع کرے گا۔ اگر ضلعی پولیس کے سربراہ کی یہ رائے ہو کہ ایسی معاونت کی درخواست غیر ضروری، غیر قانونی یا بدنیتی پر مبنی ہے تو وہ متعلقہ پبلک سیفٹی کمیشن سے رجوع کرے گا اور کمیشن کا فیصلہ حتمی ہو گا۔
11	حکومتی عہدیداروں کی پولیس معاونت [آرٹیکل 34]	ضلع ناظم کی ہدایت پر، ڈی سی او امن عامہ کی صورت حال، قدرتی آفات اور ایمرجنسی کی صورت میں پولیس سروس فراہم کرنے کا اہتمام کرے گا۔ غیر قانونی یا بدنیتی پر مبنی حکم کی صورت میں متعلقہ پبلک سیفٹی کمیشن سے رجوع کرے گا جس کا فیصلہ حتمی ہو گا۔	آرٹیکل (3)34 حذف کر دیا گیا ہے۔ اب ضلعی پولیس کا سربراہ، ضلع ناظم کے غیر قانونی یا بدنیتی پر مبنی حکم کی صورت میں ڈی پی ایس اور پی سی سے رجوع نہ کر سکے گا
12	ڈی پی ایس [اور پی سی] سی کا قیام [آرٹیکل 37]	صوبائی حکومت ایک ڈسٹرکٹ پبلک سیفٹی کمیشن قائم کرے گی	صوبائی حکومت ایک ڈسٹرکٹ پبلک سیفٹی اینڈ پولیس کمپلینٹس کمیشن قائم کرے گی
13	ڈسٹرکٹ پبلک سیفٹی (اینڈ پولیس کمپلینٹس) کمیشن کی تشکیل [آرٹیکل (1)37]	ڈسٹرکٹ پبلک سیفٹی کمیشن کے ضلع کی آبادی کے لحاظ سے 8، 10 یا 12 ارکان ہوں گے	ڈسٹرکٹ پبلک سیفٹی اینڈ پولیس کمپلینٹس کمیشن کے 9 ارکان ہوں گے
14	ڈسٹرکٹ پبلک سیفٹی (اینڈ پولیس کمپلینٹس) کمیشن کی تشکیل [آرٹیکل 38]	نصف ارکان کو انتخاب ضلع کونسل کرے گی۔ بقایا نصف، آزاد ارکان ہوں گے۔	ضلع کونسل کے منتخب کردہ = 3 آزاد = 3 متعلقہ ضلع کے ایم این ایز/ایم پی ایز = 3
15	ڈسٹرکٹ پبلک سیفٹی (اینڈ پولیس کمپلینٹس) کمیشن کے چیئر پرسن کا انتخاب [آرٹیکل 39]	چیئر پرسن کا انتخاب، ارکان، ہر سال آزاد اور منتخب ارکان میں سے باری باری کریں گے	ڈسٹرکٹ پبلک سیفٹی اینڈ پولس کمپلینٹس کمیشن کا چیئر پرسن، ارکان میں سے تین سال کے لئے منتخب کیا جائے گا۔
16	ڈسٹرکٹ پبلک سیفٹی (اینڈ پولیس کمپلینٹس) کمیشن کے آزاد ارکان کا انتخاب [آرٹیکل (2)41]	انتخاب اتفاق رائے سے ہو گا	انتخاب اکثریتی ووٹ سے ہو گا
17	ڈسٹرکٹ پبلک سیفٹی (اینڈ پولیس کمپلینٹس) کمیشن کے ارکان کی مدت [آرٹیکل (2)45]	کوئی رکن دوبارہ رکنیت کا اہل نہ ہو گا	آزاد رکن، تیسری مرتبہ رکنیت کا اہل نہ ہو گا
18	ڈسٹرکٹ پبلک سیفٹی (اینڈ پولیس کمپلینٹس) کمیشن کے اجلاس اور کارروائی [آرٹیکل (8)47]	کمیشن، کارروائی کے انضباط کے لئے قواعد کار وضع کر سکتا ہے	کمیشن کی کارروائی کے انضباط کے لئے قواعد کار حکومت وضع کرے گی

19	ڈسٹرکٹ پبلک سیفٹی (اینڈ پولیس کمپلینٹس) کمیشن کا سیکرٹریٹ [آرٹیکل 48]	ڈسٹرکٹ پبلک سیفٹی (اینڈ پولیس کمپلینٹس) کمیشن کے سیکرٹریٹ کا سربراہ گریڈ 17 کا افسر ہوگا جسے کمیشن کی مشاورت سے حکومت مقرر کرے گی	ڈسٹرکٹ پبلک سیفٹی (اینڈ پولیس کمپلینٹس) کمیشن کے سیکرٹریٹ کا سربراہ گریڈ 18 یا زیادہ کا افسر ہوگا جسے کمیشن کے چیئرمین کی مشاورت سے حکومت مقرر کرے گی
20	صوبائی پبلک سیفٹی (اینڈ پولیس کمپلینٹس) کمیشن کی رکنیت میں حکومت اور حزب اختلاف (اسمبلی میں) کا حصہ سیکرٹریٹ [آرٹیکل 48]	3 حزب اقتدار سے اور 3 حزب اختلاف سے	4 حزب اقتدار سے اور 2 حزب اختلاف سے
21	صوبائی پبلک سیفٹی (اینڈ پولیس کمپلینٹس) کمیشن کے آزاد ارکان کا انتخاب [آرٹیکل 77]	چیف جسٹس ہائی کورٹ بطور چیئر پرسن اور گورنر اور وزیر اعلیٰ دونوں کے ایک ایک نمائندے پر مشتمل سلیکشن پینل	صوبائی محتسب (بطور چیئر پرسن)، پنجاب پبلک سروس کمیشن کا چیئرمین اور وزیر اعلیٰ کا ایک نامزد کردہ فرد بطور ارکان
22	صوبائی پبلک سیفٹی (اینڈ پولیس کمپلینٹس) کمیشن کا سیکرٹریٹ [آرٹیکل (2)84]	سیکرٹریٹ کا سربراہ، سینئر سپرنٹنڈنٹ آف پولیس کے عہدے کا ایک ڈائریکٹر ہوگا جس کا تقرر حکومت کرے گی	سیکرٹریٹ کا سربراہ، ایسا افسر ہوگا جو گریڈ 20 سے کم کا نہ ہو اور اس کا تقرر، کمیشن کے چیئر پرسن کی مشاورت سے وزیر اعلیٰ کرے گا

پولیس آرڈر ترمیمی آرڈیننس 2004 کو نومبر 2009 تک ہر چار بار دوہرایا گیا۔ اسے پارلیمان میں اس خدشے کی بنا پر پیش نہ کیا گیا کہ مبادا حکومت اسے پارلیمان سے منظور کرانے میں ناکام نہ ہو جائے۔

افسوسناک امر یہ ہے کہ خصوصاً حکومت پنجاب کے واضح عزم کے باوجود ترمیم شدہ پولیس آرڈر پر عملدرآمد کمزور رہا۔ نہ تو صوبائی حکومتوں اور نہ پولیس قیادت نے ہی ان اصلاحات پر، جو عوامی مفاد میں تھیں، عمل درآمد کیلئے کسی سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔

گزشتہ پولیس آرڈر ترمیمی آرڈیننس مارچ 2010 میں ختم ہو چکا ہے۔ نتیجتاً جب آئین میں 18 ویں ترمیم کا قانون 2010 مورخہ 20۔ اپریل 2010 کو نافذ العمل ہوا، پولیس آرڈر اپنی اصل حیثیت میں از خود بحال ہو گیا یعنی جیسا کہ 14۔ اگست 2002 کو یہ جاری ہوا تھا۔

پولیس آرڈر 2002 کی قانونی حیثیت

پولیس آرڈر 2002 کی 2010 کے بعد کی قانونی حیثیت کے بارے میں پولیس افسران اور سول سوسائٹی میں ایک بحث چھڑ چکی ہے۔ ''صوبائی خودمختاری'' کا ڈھول پیٹنے والے خاص طور پر اس تنازعے میں سول بیوروکریسی کے ساتھ شامل ہو گئے۔ تاہم اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اس قانون کی دستوری حیثیت کو تحمل سے کام لیتے ہوئے جانچا جائے۔ نیز یہ بھی جائزہ لیا جائے کہ ملک میں دہشت گردی کے جن سے نمٹنے کیلئے ایک یکساں پولیس قانون اختیار کرنا کیوں ضروری ہے۔ مختلف اقسام کے قوانین، جو ایک دوسرے سے خاصے مختلف ہیں، امن عامہ سے متعلق معاملات سے نمٹنے کی موجودہ صورتحال میں بگاڑ کا باعث ہیں اور ہم آہنگی میں کمی کا سبب بھی ہیں۔ خاص طور پر دہشت گردی کی اس لعنت کے حوالے سے جس نے ہمارے معاشرے کی بنیادوں کو ہلا رکھا ہے۔

جیسا کہ ذکر ہوا کہ پولیس آرڈر 14۔ اگست 2002 کو جاری ہوا تھا۔ نئے قانون کو قدرے استحکام دینے اور بغیر کسی جلد بازی میں کی جانے والی تبدیلیوں کے اسے پرکھنے کیلئے، 17 ویں آئینی ترمیم کے تحت اسے آئین کے چھٹے شیڈول میں شامل کر لیا گیا۔ نتیجتاً آئین کے ترمیم شدہ آرٹیکل (2)268 میں تحریر ہے:

''چھٹے شیڈول میں دیئے گئے قوانین میں وزیر اعظم کی مشاورت کے بعد دی گئی صدر کی پیشگی منظوری کے بغیر تبدیلی، تنسیخ یا ترمیم نہیں کی جائے گی۔''

31۔دسمبر 2003 کو سترھویں آئینی ترمیم کے ذریعے مذکورہ بالا شق میں ایک جملہ شرطیہ کا اضافہ کیا گیا کہ ''چھٹے شیڈول کے اندراج نمبر 27 یا 30 اور 35 میں مذکور قوانین چھ سال بعد اس شیڈول سے خارج ہو جائیں گے۔''

چھٹے شیڈول کے اندراج نمبر 27 تا 30 میں چاروں صوبوں کے مقامی حکومت کے آرڈیننس شامل تھے جو متعلقہ گورنر صاحبان نے جاری کئے تھے کیونکہ مقامی حکومت ایک صوبائی موضوع تھا۔ جبکہ چھٹے شیڈول کے اندراج نمبر 35 پر پولیس آرڈر 2002 (چیف ایگزیکٹو آرڈر نمبر 22 بابت 2002) تھا۔ چھٹے شیڈول کے نمبر شمار 27 تا 30 کے چھ سال بعد یعنی یکم جنوری 2010 کو اخراج کا مطلب یہ تھا کہ اس کے بعد اسمبلیاں پیشگی صدارتی منظوری کے بغیر لوکل گورنمنٹ کے آرڈیننسز میں ترمیم کر سکتی تھیں۔ اندراج نمبر 35 کے اخراج کا مطلب یہ تھا کہ اب پارلیمان پیشگی صدارتی منظوری کے بغیر پولیس آرڈر 2002 میں ترمیم کر سکتی تھی۔

پولیس آرڈر 2002 میں صدر نے 2004 میں ایک آرڈیننس کے ذریعے ترمیم کی۔ چونکہ پارلیمان پیشگی صدارتی منظوری کے بعد پولیس آرڈر میں ترمیم نہ کر سکتی تھی، اس لئے پولیس آرڈر ترمیمی آرڈیننس کو نومبر 2009 تک ہر چار ماہ بعد از سر نو جاری کرنا پڑا۔ تاہم، یکم جنوری 2010 کے بعد پارلیمان اس آرڈر میں صدر کی پیشگی منظوری کے بغیر ترمیم کرنے کی مجاز ہو گئی۔

پولیس آرڈر 2002 کی طرح پولیس ایکٹ 1861 میں ترمیم کا اختیار بھی پارلیمنٹ کے پاس ہے۔ پولیس ایکٹ 1861 کی دفعہ 46، صوبوں کو محض قانون کے مقاصد پورے کرنے کیلئے قواعد وضع کرنے کا اختیار دیتی ہے۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ پولیس آرڈر 2002 کا آرٹیکل 184 صوبوں کو اپنی مخصوص ضروریات اور حالات کے مطابق، وزیر اعظم کی پیشگی منظوری سے پولیس آرڈر میں ترمیم کا اختیار دیتا ہے۔ اس طرح اگرچہ پولیس آرڈر میں ترمیم کا اختیار وفاقی پارلیمان کے پاس ہے تاہم صوبوں کو اپنے مخصوص حالات میں وزیر اعظم کی پیشگی منظوری سے محدود حد تک اس میں ترمیم کا اختیار بھی ہے۔

یہ تاثر غلط ہے کہ 18 ویں آئینی ترمیم کے بعد پولیس آرڈر 2002 کا اب وجود نہیں رہا۔ اس غلط فہمی کی وجہ غالباً یہ ہے کہ مورخہ 20۔ اپریل 2010 سے 18 ویں آئینی ترمیم کے تحت چھٹے شیڈول کے خاتمے کے اثرات سے متعلق علم کی کمی ہے۔ درست صورتحال یہ ہے کہ پولیس آرڈر کا چھٹے شیڈول میں اندراج نمبر 35، سترھویں آئینی ترمیم کے تحت پہلے ہی یکم جنوری 2010 سے حذف ہو چکا تھا۔ آئین کے اٹھارویں ترمیم کے تحت چھٹے شیڈول کے خاتمے کا محض نتیجہ یہ تھا کہ اب پارلیمان اس شیڈول میں موجود 30 قوانین میں صدارتی منظوری کے بغیر ترمیم کرنے کی مجاز ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ یہ 30 قوانین اب قانون کی کتاب کا حصہ نہیں رہے۔ اس شیڈول کے حذف ہونے سے پہلے اس میں جو 30 قوانین موجود تھے ان میں سٹیٹ بینک آف پاکستان ایکٹ 1956 اور نیب آرڈیننس 1993 بھی شامل تھے۔ اگر یہ دونوں قوانین چھٹے شیڈول کے ختم ہونے کے باوجود ابھی تک موجود ہیں تو پھر پولیس آرڈر 2002 کے بارے میں اس سے مختلف تشریح کیوں؟

چونکہ 18 ویں ترمیم نے قانون سازی کی مشترکہ فہرست (آئین کے چوتھے شیڈول) کو بھی حذف کر دیا تھا، پولیس آرڈر 2002 کے مخالفین دلیل دیتے ہیں کہ فوجداری قوانین سے متعلق معاملات بشمول مجموعہ

تعزیرات پاکستان (اندراج نمبر 1) نیز مجموعہ ضابطہ فوجداری (اندراج نمبر 2) اب چوتھے شیڈول میں نہ ہیں' اس لئے پولیس کا قانون اب صرف صوبائی دائرہ عمل میں آ گیا ہے۔ تاہم وہ اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ بکھرے ہوئے فوجداری نظام انصاف کے سنگین اثرات سے باخبر اٹھارویں ترمیم کے بنانے والوں نے آئین کے آرٹیکل (142(b میں مناسب ترمیم کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنایا کہ فوجداری قانون' ضابطہ فوجداری اور شہادت کا مشترکہ نظام مناسب طور پر محفوظ بنایا جا سکے۔ اس بات کو بھی ترمیم شدہ آرٹیکل 143 کے ذریعے یقینی بنایا گیا کہ کسی وفاقی قانون اور کسی صوبائی قانون میں تصادم کی صورت میں وفاقی قانون کو فوقیت حاصل ہوگی اور اختلاف کی حد تک صوبائی قانون کالعدم قرار پائے گا۔

یاد رہے کہ آئین کے آرٹیکل 268 کے تحت آئین کے نافذ العمل ہونے کے دن یعنی 12۔ اپریل 1973 کو رائج تمام قوانین بشمول پولیس ایکٹ 1861 جاری اور نافذ رہیں گے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ باوجود اس امر کے کہ 1973 کے آئین میں کسی موضوع کو صوبائی دائرہ عمل میں لے جایا گیا ہے' کسی مرکزی قانون کی دستوری حیثیت کو اس بناء پر چیلنج نہیں کیا جا سکتا کہ یہ اب جائز قانون نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس آئینی حیثیت کو کسی صوبے نے کبھی چیلنج نہیں کیا۔ اگرچہ اس حوالے سے کوئی ابہام نہیں ہے' وفاقی قوانین (نظر ثانی و ڈیکلریشن) آرڈیننس 1981 نے پولیس ایکٹ 1861 میں ترمیم کر کے اس قانون کی دستوری حیثیت کو ہمیشہ کیلئے واضح کر دیا۔ پارلیمان نے آٹھویں آئینی ترمیم کے قانون 1985 (آرٹیکل (270A(3) کے ذریعے منجملہ طور پر وفاقی قوانین (نظر ثانی و ڈیکلریشن) آرڈیننس 1981 کو تحفظ دے دیا۔ تاہم جب سے پولیس ایکٹ 1861 کی جگہ پولیس آرڈر 2002 نے لی ہے' مخصوص مفادات رکھنے والوں نے اس طے شدہ معاملے کے بارے میں آوازیں اٹھانا شروع کر دی ہیں۔ تاہم پارلیمان نے آئین میں 17 ویں ترمیم (آرٹیکل (270AA(3) اور پھر 18 ویں آئینی ترمیم (آرٹیکل (270AA(2) کے ذریعے پولیس آرڈر 2002 کو درست قرار دے دیا۔

کوئی شک نہیں کہ پولیس آرڈر 2002 کی دستوری حیثیت کو پٹیشن نمبر 16244/2002 کے ذریعے لاہور ہائی کورٹ میں چیلنج کیا گیا جس پر جسٹس تصدیق حسین جیلانی' جو بعد میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس بھی بنے' نے یہ فیصلہ دیا:

> ''اس ملک میں تحریری آئین موجود ہے۔ فوجداری قانون آئین پاکستان کے چوتھے شیڈول کی مشترکہ فہرست میں موجود ہے۔ پولیس آرڈر 2002 بنیادی طور پر فوجداری قانون کے نفاذ اور پولیس کے بارے میں ہے۔ لہذا' یہ مذکورہ فہرست میں آتا ہے۔ اس لئے پولیس آرڈر 2002 غیر آئینی نہیں ہے۔ پٹیشن' میرٹ پر نہ ہونے کی بنیاد پر خارج کی جاتی ہے۔''

اس فیصلہ کو کبھی چیلنج نہیں کیا گیا۔

مزید برآں' پولیس نظام اور پولیس قانون میں نازک فرق کو سمجھنا نہایت اہم ہے۔ کوئی نہیں کہتا کہ پولیس کا نظام صوبائی معاملہ نہیں ہے۔ پولیس کا نظام اس وقت بھی صوبائی معاملہ تھا جب پولیس کا قانون یعنی پولیس ایکٹ 1861 جو ایک مرکزی قانون تھا' نافذ العمل تھا۔ پولیس کا نظام نئے پولیس قانون یعنی پولیس آرڈر 2002 کے تحت بھی صوبائی معاملہ ہی رہے گا اور جس طرح صوبے مجموعہ ضابطہ فوجداری' تعزیرات پاکستان یا قانون شہادت آرڈر میں معمولی تبدیلیاں کرنے کے مجاز ہیں' اسی طرح وہ پولیس آرڈر 2002 میں بھی کر سکتے ہیں۔ آئین کے آرٹیکل 143 میں صوبوں

پر عائد کی گئی پابندی صرف یہ ہے کہ اگر صوبائی اسمبلی کی جانب سے منظور کی گئی کوئی ترمیم پارلیمان کے منظور کردہ قانون سے متصادم ہوئی تو موخر الذکر قانون کو فوقیت حاصل ہو گی۔

کچھ ذہنوں میں موجود قانونی ابہام کو ایک طرف رکھتے ہوئے' موجودہ سکیورٹی صورتحال کے پیش نظر یہ بات نہایت اہم ہے کہ ایک معیاری پولیس نظام کو نہ صرف برقرار رکھا جائے بلکہ اسے مستحکم بنایا جائے تاکہ پولیس کو بالخصوص 21ویں صدی کی غیر معمولی اور مشکل ترین دہشت گردی اور منظّم جرائم سے نمٹنے کا اہل بنایا جائے۔ بین الاقوامی طور پر اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ امن عامہ کے موجودہ چیلنجز سے نمٹنے کا لائحہ عمل' پولیس کے طے شدہ قوانین اور قواعد کار ہونے چاہئیں نہ کہ مختلف اور بکھرے ہوئے قوانین۔ پارلیمان اور سپریم کورٹ کو چاہیے کہ وہ درست تناظر کے ساتھ اس معاملے کا جائزہ لینے کی ذمہ داری لیں اور اقدامات کریں تاکہ پولیس آرڈر2002' جو ایک جائز وفاقی قانون ہے' پر چند معمولی نوعیت کی ضروری مقامی ترامیم کے ساتھ پورے ملک میں عملدرآمد ہو سکے۔

پولیس آرڈر2002 کی موجودہ صورتحال

پاکستان کے موجودہ پولیس نظام کا ایک تشویشناک پہلو یہ ہے کہ ملک بھر میں پولیس فورسز کسی یکساں پولیس قانون کے تحت نہیں ہیں۔ پنجاب اور خیبر پختونخواہ' پولیس آرڈر2002 کو چند ترامیم کے ساتھ اختیار کئے ہوئے ہیں جبکہ دیگر صوبوں میں پولیس ایکٹ1861 نافذ العمل نظر آتا ہے۔ سندھ اور بلوچستان میں اپنے علیحدہ پولیس قوانین موجود ہیں جو 2011 میں متعارف کروائے گئے۔

بلالحاظ اس امر کے کہ پارلیمان نے 2003 اور 2010 میں 17ویں اور 18ویں آئینی ترامیم کے ذریعے پولیس آرڈر2002 کو تحفظ دیا' صوبائی اسمبلی سندھ نے بغیر سوچے سمجھے اور آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سندھ کا قانون 2011 (پولیس آرڈر2002 کی منسوخی اور پولیس ایکٹ1861 کی بحالی)'13۔ جولائی2011 کو منظور کر لیا۔ اس مسودہ قانون کی گورنر سندھ نے اگلے روز منظوری بھی دے دی۔

اس مثال کی پیروی کرتے ہوئے بلوچستان نے بھی 24۔ اگست2011 کو بلوچستان پولیس ایکٹ 2011 متعارف کروایا۔ آئین کے آرٹیکل 143 کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نہ صرف پولیس آرڈر2002 کو منسوخ کر دیا گیا بلکہ آئین کے آرٹیکل(3)175 کی خلاف ورزی کرتے ہوئے میجسٹریسی کے پرانے نظام کو بھی بحال کر دیا گیا۔ چند تبدیلیوں کے ساتھ بلوچستان کا پولیس ایکٹ2011' پولیس کے پرانے ایکٹ1861 کی ایک شکل ہے۔ تاہم یہ نیا قانون ضلعی پولیس آفیسر کو ڈسٹرکٹ میجسٹریٹ کے عمومی کنٹرول اور ماتحتی میں نہیں لاتا۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا' اسلام آباد کیپٹل' گلگت بلتستان اور آزاد جموں و کشمیر نے کبھی پولیس آرڈر2002 کو اپنایا ہی نہیں اور ابھی تک پرانے پولیس ایکٹ1861 کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔

پنجاب پولیس آرڈر ترمیمی قانون 2013

پنجاب بالآخر 2013 میں اس نتیجے پر پہنچا کہ پولیس آرڈر 2002 وفاقی حکومت کا ایک جائز قانون ہے۔ تاہم پنجاب پولیس آرڈر ترمیمی قانون 2013 نے پولیس آرڈر 2002 میں چار ترامیم کیں۔ آرٹیکل 7 میں ہونے والی ترمیم سب انسپکٹر کی سطح پر براہ راست تقرری سے متعلق تھی جبکہ یہ پہلے اسسٹنٹ سب انسپکٹر کی سطح تک تھی۔ آرٹیکل 18 میں ترمیم ڈسٹرکٹ انویسٹی گیشن برانچ کے قیام کے حوالے سے تھی جس کا بہت زیادہ مطالبہ ہوتا رہا ہے جبکہ آرٹیکل 18A کے اضافہ کا مقصد تفتیش کی تبدیلی کے مشکل طریقے کو آسان بنانا تھا۔ پولیس آرڈر 2002 کے آرٹیکل 21 میں ترمیم کے ذریعے سب انسپکٹر کو ایس۔ ایچ۔ او تعینات کرنے کی گنجائش نکالی گئی۔ آخر میں ترمیمی قانون نے 2002 کے پولیس آرڈر کے آرٹیکل 184 کو حذف کر دیا۔ اس حذف شدہ آرٹیکل میں تحریر تھا:

> ''اس آرڈر میں ترمیم کے وفاقی حکومت کے اختیار کے باوجود' کوئی بھی صوبائی حکومت' اسلامی جمہوریہ پاکستان کے چیف ایگزیکٹو کی منظوری سے اپنی ضروریات اور حالات کے مطابق اس آرڈر میں ترمیم کر سکتی ہے۔''

آرٹیکل 7, 18 اور 21 میں ترامیم صوبائی حکومت کے دائرہ اختیار کے بارے میں ہیں جبکہ آرٹیکل 184 کا حذف کیا جانا آئین کے آرٹیکل 143 کی صریح خلاف ورزی اور صریحاً باطل ہے۔

جہاں تک پولیس آرڈر 2002 پر درحقیقت عملدر آمد کا تعلق ہے تو پنجاب پولیس آرڈر ترمیمی قانون 2013 کے نافذ العمل ہونے کے بعد بھی اب تک کوئی صوبائی یا ضلعی پبلک سیفٹی کمیشن نہیں بن سکا ہے اور نہ پنجاب پولیس شکایات اتھارٹی کا قیام ہی عمل میں آیا ہے اور نہ پولیس آرڈر 2002 کے آرٹیکل 11 اور 15 کے مطابق اہم عہدوں (آئی۔ جی۔ پی' سی۔ سی۔ پی۔ او' سی۔ پی۔ او' ڈی۔ پی۔ او) پر تین سال کی میعاد عہدہ پر ہی عمل ہو رہا ہے۔ بالالفاظ دیگر پولیس آرڈر 2002 کے اہم پہلوؤں پر عمل درآمد ہونا باقی ہے۔

سندھ پولیس ایکٹ (2014) کا مسودہ

سندھ کی صوبائی حکومت نے آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے 13۔جولائی 2011 کو سندھ (پولیس آرڈر 2002 کی تنسیخ اور پولیس ایکٹ 1861 کی بحالی) قانون 2011 کی جلد بازی میں منظوری دی۔ سندھ حکومت کی جلد بازی کا اندازہ اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ اگرچہ نیت یہ تھی کہ پرانے پولیس ایکٹ 1861 کی طرف لوٹا جائے، لیکن جس قانون کو بحال کیا گیا وہ وہی پولیس ایکٹ 1861 تھا جو 13۔اگست 2002 کو موجودہ حالت میں نافذ تھا یعنی پولیس آرڈر 2002 کے نفاذ سے ایک دن قبل۔ اس کا مطلب ہے کہ وفاقی حکومت نے پولیس کے ترمیمی آرڈر (نمبر 7 بابت 2001) مورخہ 12۔اگست 2001 کے ذریعے پولیس ایکٹ 1861 میں جو چند اہم تبدیلیاں کی تھیں، وہ 1861 کے قانون میں شامل رہیں۔ تاہم، سندھ (پولیس آرڈر 2002 کی تنسیخ اور پولیس ایکٹ 1861 کی بحالی) کے قانون 2011 نے ضلعی پولیس کے امور میں ایگزیکٹو میجسٹریسی کے کردار کو بحال نہ کیا۔

اگرچہ سندھ پولیس عملی طور پر پولیس ایکٹ 1861 سے منسلک ہے، پاکستان فورم برائے جمہوری پولیس نظام نے جسٹس (ریٹائرڈ) ناصر اسلم زاہد کی زیر نگرانی اور لیگل ایڈ آفس کے اشتراک سے سندھ پولیس ایکٹ 2014 کا مسودہ تیار کیا ہے تا کہ سندھ میں پولیس کو درپیش چیلنجوں اور موجودہ تقاضوں سے نمٹا جا سکے۔ مسودہ قانون بظاہر ان موجودہ خرابیوں سے آشنا نظر آتا ہے جن کا سندھ پولیس کو تاریخی طور پر سامنا کرنا پڑا ہے، خصوصاً سیاسی مداخلت، مدت ملازمت کا عدم تحفظ، تھانہ کلچر، بدعنوانی اور موثر احتساب کی کمی جیسی خرابیاں۔

اگرچہ سول سوسائٹی کو پاکستان میں پولیس کو درپیش بحرانوں کے بارے میں تشویش ہے اور پولیس میں اصلاحات ایک خوش آئند عمل ہے، اس مرحلے پر بحث کا اہم پہلو یہ ہے کہ آیا پولیس آرڈر 2002 ایک جائز قانون ہے یا نہیں۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو ہمیں جس بات پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے وہ ضروری ترمیم (یا ترامیم) ہے/ہیں، جس کی عمومی لحاظ سے یا کسی خاص صوبے کے تناظر میں، پولیس آرڈر میں ضرورت ہے، بجائے یہ کہ ہر صوبے کیلئے نیا پولیس قانون وضع کیا جائے۔

انفراسٹرکچر اور صلاحیت سازی کے مسائل

پاکستان بھر میں پولیس فورس کیلئے ضرررساں انفراسٹرکچر اور صلاحیت سازی کے سنگین مسائل موجود ہیں۔ اگرچہ تاخیر سے ہی سہی، لیکن ان مسائل کے حل کے حوالے سے کچھ آگہی اور دلچسپی دیکھنے میں آئی ہے خاص طور پر ملک کے قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے سائنس اور ٹیکنالوجی کے استعمال کے حوالے سے محسوس ہوتا ہے کہ زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ پولیس آرڈر 2002 نے پائیدار اور مستحکم بنیادوں پر انفراسٹرکچر اور صلاحیت سازی کے مسائل حل کرنے کے لئے نیشنل پولیس بیورو، وزارت داخلہ کو بطور قومی فوکل پوائنٹ ایک دستوری کردار دیا ہے۔ نیشنل پولیس بیورو نے 2008-2004 کے دوران پولیس کو جدید بنانے کے متعدد اہم منصوبے شروع کئے۔ [19]

آٹومیٹڈ فنگر پرنٹ آئیڈنٹیفکیشن سسٹم

اس منصوبے کا مقصد مشتبہ افراد کے فنگر پرنٹس کو الیکٹرانک شکل میں محفوظ کرنا تھا تا کہ قومی سطح پر مجرموں کے فنگر پرنٹ کا کمپیوٹرائز ریکارڈ رکھا جا سکے اور پاکستان کے تمام ضلعی پولیس ہیڈ کوارٹرز کا باہمی ربطہ قائم کیا جائے اور فنگر پرنٹس کی آن لائن تصدیق کی جا سکے۔ 1107 ملین روپے کی تخمینہ شدہ لاگت سے مارچ 2006 میں شروع کئے جانے والے اس منصوبے کا مقصد ایف۔آئی۔اے ہیڈ کوارٹر اسلام آباد میں فنگر پرنٹ کی مرکزی ڈیٹا بیس قائم کرنا اور اسلام آباد، لاہور، کراچی، پشاور اور کوئٹہ سمیت تمام

صوبائی پولیس ہیڈکوارٹرز پر ملٹی فنکشنل ورک سٹیشن اور پاکستان بھر میں 155 سٹیشنوں پر رپورٹ ٹرمینلز کا قیام عمل میں لانا ہے۔

پولیس ریکارڈ اینڈ آفس مینجمنٹ انفارمیشن سسٹم

اس منصوبے کا مقصد اپنی استعداد اور اہلیت میں اضافے کیلئے پولیس کو بنیادی انفارمیشن ٹیکنالوجی انفراسٹرکچر فراہم کرنا تھا۔ منصوبے میں کمپیوٹرائزڈ پولیس سٹیشن ریکارڈ برقرار رکھنا اور ملک بھر میں پولیس کو آن لائن طریقے سے منسلک کرنا شامل تھا۔ اس کا مقصد پولیس کی کارکردگی میں اضافہ، خاص طور پر دہشت گردی، منظم جرائم اور ہائی پروفائل مجرموں کے خلاف جنگ شامل تھا۔ 1405 ملین روپے کی لاگت سے 2006 میں شروع ہونے والا یہ منصوبہ 2009 کے آخر میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔

قومی سطح پر منسلک ٹرنک ریڈیو سسٹم

چونکہ پولیس کا پرانا مواصلاتی نظام بہت پہلے فرسودہ اور متروک ہو چکا تھا، فیصلہ کیا گیا کہ پولیس کو ایک جدید، قابل اعتماد اور محفوظ وائرلیس نظام سے آراستہ کیا جائے۔ اس منصوبے کا پہلا مرحلہ 1952 ملین روپے کی تخمینہ شدہ لاگت سے 2008 میں شروع ہوا اور 2009 میں مکمل ہوا۔ پولیس کو محفوظ، مستعد، قابل اعتماد اور مواصلات کی ایڈوانس ٹیکنالوجی کی سہولیات فراہم کر کے منصوبے میں اسلام آباد، راولپنڈی، لاہور، کراچی، پشاور اور کوئٹہ کو شامل کیا گیا، جبکہ مین سوئچنگ دفاتر اسلام آباد اور کراچی میں بنائے گئے۔ دوسرے مرحلے میں ڈویژنل اور ضلعی ہیڈکوارٹر کو شامل کیا گیا اور تیسرے مرحلے میں پاکستان بھر میں تمام پولیس تھانوں/پولیس چوکیوں کو شامل کیا گیا۔

نیشنل فارنزک سائنس ایجنسی

پولیس کو جدید ترین فارنزک آلات فراہم کرنے، پولیس تفتیش کے معیار کو بہتر بنانے، شفاف اور بہتر سزاؤں کی جانب لے جانے والی شہادتوں پر مبنی پراسیکیوشن اور ملک میں انسانی حقوق کی صورتحال کو بہتر بنانے کیلئے نیشنل پولیس بیورو کو 3488 ملین روپے کی ابتدائی لاگت سے نیشنل فارنزک سائنس ایجنسی کے قیام کی اضافی ذمہ داری دی گئی۔ منصوبے کا مقصد اسلام آباد میں مرکزی فارنزک سائنس لیبارٹری کے قیام کے ساتھ ساتھ صوبائی ہیڈکوارٹرز میں چار لیبارٹریوں کا قیام ہے تاکہ سائنسی تفتیش، کیمیائی معائنے، فارنزک مائیکروبیالوجی، DNA ٹیسٹ، کمپیوٹر فارنزک اور آٹومیٹڈ بیلسٹک اور بارودی مواد کے معائنے کی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔ پاکستان پولیس میں اپنی نوعیت کی پہلی DNA لیب، چینی حکومت کے تعاون سے 31 مارچ 2006 کو اسلام آباد میں قائم ہوئی۔ ایک جدید فارنزک ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کا قیام بھی منصوبے میں شامل کیا گیا۔

بلوچستان میں ''بی'' ایریا کی ''اے'' ایریا میں تبدیلی

2003 تک بلوچستان صوبے میں پولیس کے دو مختلف طرح کے نظام تھے۔ پورے صوبے کو شہری ''اے'' ایریا (5 فیصد) اور دیہی ''بی'' ایریا (95 فیصد) میں تقسیم کیا گیا تھا۔ پولیس ''اے'' ایریا کو دیکھتی تھی جبکہ ''بی'' ایریا میں پولیس کے فرائض لیویز انجام دیتی تھی۔ منتقلی کا منصوبہ[20] جو 2003 میں منظور ہوا اور جس پر بلوچستان حکومت نے عملدرآمد کیا، اس کے لئے فنڈنگ نیشنل پولیس بیورو کے تعاون سے وفاقی حکومت فراہم کرتی تھی۔ 5515 ملین روپے کی تخمینہ شدہ لاگت سے یہ منصوبہ 2007 میں مکمل ہوا اور اس میں پولیس عمارات کی تعمیر، اضافی پولیس کی بھرتی اور تربیت، پولیس کی گاڑیوں/سازوسامان کی خرید اور پورے ''بی'' ایریا کی لیویز پوسٹوں کی پولیس کو منتقلی شامل تھی۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ بلوچستان کی صوبائی حکومت نے پوری صدی کے دوران پہلی ہونے والی اصلاحات کو 2010 میں واپس لے لیا جس کی وجہ غلط طور پر آئین میں اٹھارویں ترمیم بیان کی گئی۔ بلوچستان حکومت کے اس غیر آئینی اقدام کو چیلنج کرنے والی رٹ پٹیشن بلوچستان ہائی کورٹ میں زیرالتواء ہے۔

بلوچستان کانسٹیبلری کا قیام

''اے'' ایریا کی ''بی'' ایریا میں منتقلی کے ساتھ ساتھ' بلوچستان پولیس کو بطور ریزرو مستحکم کرنے کیلئے مناسب تعداد میں اچھی تربیت یافتہ اور سازوسامان سے لیس کانسٹیبلری کو اہم تصور کیا گیا۔ 4000 کی کم افرادی قوت والی بلوچستان ریزرو پولیس بھی موجود تھی۔ 2003 میں وفاقی حکومت نے 4140 ملین روپے کی تخمینہ شدہ لاگت سے موجود بلوچستان ریزرو پولیس میں 6000 اضافی افراد پر مشتمل بلوچستان کانسٹیبلری کے قیام کے لئے فنڈ دینے پر رضامندی کا اظہار کیا۔ اس منصوبے کے تحت نئی بھرتیاں کی گئیں' نئی پولیس عمارات تعمیر کی گئیں' ٹرانسپورٹ اور مواصلات کی سہولیات فراہم کی گئیں اور فورس کو جدید اسلحہ اور بارود سے مسلح کیا گیا۔

صوبوں میں صلاحیت سازی کی کاوشیں

نیشنل پولیس بیورو کے اشتراک سے یا اس کی جانب سے قومی سطح پر بڑے انفراسٹرکچرل اور صلاحیت سازی والے منصوبوں کے ساتھ ساتھ صوبوں نے حالیہ سالوں کے دوران اپنی اپنی پولیس فورس کو جدید بنانے پر توجہ دینی بھی شروع کی ہے۔ اگرچہ تاخیر سے ہی سہی' انہوں نے بالخصوص اپنے انسداد دہشت گردی کے محکموں میں خطیر رقوم خرچ کرنا شروع کی ہیں۔

جدید بنانے کی کاوشوں میں صوبوں کو بیرون ملک سے بھی مدد ملی ہے جن میں انصاف تک رسائی پروگرام کے تحت ملنے والی 350 ملین امریکی ڈالر کی رقم شامل ہے۔ صوبوں کی پولیس فورسز کی صلاحیت کی تعمیر میں یورپی یونین' برطانوی محکمہ برائے بین الاقوامی ترقی' امریکی بیورو آف انٹرنیشنل نارکوٹکس اینڈ لاء انفورسمنٹ افیئرز اور آسٹریلین فیڈرل پولیس نے بالخصوص صوبوں کی فراخدلی سے معاونت کی ہے۔ صرف سال 2009 کے دوران پاکستان کو ملنے والی امریکی لاء انفورسمنٹ امداد مبینہ طور پر 4.21 بلین امریکی ڈالر رہی۔ 2010 میں پاکستان پولیس فورسز کو پیشہ ورانہ بنانے اور ان کیلئے سازوسامان اور تربیت کیلئے امریکا نے 150 ملین امریکی ڈالر مختص کئے۔

بالخصوص پنجاب' لاہور میں جدید فارینزک لیب قائم کرنے میں سب سے آگے ہے۔ لاہور میں ترک قومی پولیس کی تکنیکی معاونت سے ایک جدید کمانڈ اینڈ کنٹرول سنٹر بھی کام شروع کرنے والا ہے۔ 2014 میں پنجاب پولیس کی صلاحیت سازی کیلئے ناروے نے 700,000/ امریکی ڈالر کی گرانٹ دینے کا وعدہ کیا۔

سندھ نے ایک فارینزک ٹریننگ سکول قائم کیا ہے جو موقع واردات کے انصرام' مادی شہادت کے تجزیہ' بنیادی سراغ اور فنگر پرنٹ کی استعداد کی تربیت دیتا ہے۔ سندھ پولیس کے جرائم کی تفتیش کے محکمے نے ایک ڈیجیٹل کمپیوٹر فارینزک لیب بھی قائم کی ہے جو گمشدہ یا حذف کردہ الیکٹرانک فائل کی ریکوری' حذف شدہ براؤزنگ ہسٹری' حذف کردہ ای میل یا تباہ شدہ ڈیوائسز سے ڈیٹا حاصل کر کے انسداد دہشت گردی کی تفتیش میں معاونت کرتی ہے۔ سندھ پولیس کو جدید بنانے کے دیگر منصوبے بھی جاری ہیں۔

خیبر پختونخواہ نے خصوصی تربیت کے لئے متعدد نئے سکول قائم کئے ہیں جن میں پولیس سکول برائے تفتیش' حیات آباد' پولیس سکول آف ٹیکٹکس' حیات آباد' پولیس سکول آف انٹیلی جنس' ایبٹ آباد' پولیس سکول آف پبلک ڈس آرڈر disorder اینڈ رائٹ riot مینجمنٹ' مردان' پولیس سکول آف ایکسپلوسو ہینڈلنگ' نوشہرہ اور سکول آف آئی ٹی' پشاور شامل ہیں۔ موقع واردات سے شہادت حاصل کرنے کیلئے پشاور' ایبٹ آباد اور ڈیرہ اسماعیل خان میں سازوسامان سے لیس موبائل فارینزک لیبارٹریاں بھی قائم کی گئی ہیں۔ آئی۔ ٹی پر مبنی ٹولز جیسے جیوٹیگنگ' شناخت کی تصدیق کا نظام' ایف۔ آئی۔ آر کی ڈیجیٹلائزیشن' گاڑیوں کی تصدیق کا نظام' کرایہ داروں کی معلومات کا نظام' پولیس تعاون لائنز اور پولیس رسائی سروس دیگر خوش

آئند اقدامات ہیں۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی ڈونرز کے تعاون سے دہشت گردی سے نمٹنے کیلئے آرمرڈ پرسانل کیریئرز سرویلنس کے آلات، گلوبل پوزیشننگ سسٹم اور رات کو دیکھنے والی دور بینوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر گزرا، بلوچستان کو وفاقی حکومت کی طرف سے 10 بلین سے زیادہ مالیت کے دو بڑے منصوبے ملے۔ صوبائی حکومت بلوچستان نے ''اے'' ایریا کی ''بی'' ایریا میں منتقلی کو واپس کر کے اور بلوچستان کانسٹیبلری کے منصوبے کے ذریعے ترقی معکوس کی۔ تاہم بین الاقوامی ڈونرز کے تکنیکی تعاون سے صلاحیت سازی کی کوششیں جاری ہیں۔ 2014 میں ہالینڈ کی حکومت نے حکومت بلوچستان کے ساتھ ایک چار سالہ منصوبے میں 2.5 ملین امریکی ڈالر کی رقم دی جس پر عملدرآمد کا شراکت دار UNODC تھا۔ بلوچستان پولیس کی فارینزک معاونت میں اضافے کیلئے آسٹریلیا کی فیڈرل پولیس نے حال ہی میں دو فارینزک آئٹم فراہم کئے (جن کی مالیت 73,300 امریکی ڈالر تھی): (1) ESDA، مشکوک دستاویزات کیلئے، اور (2) تقابلی مائیکروسکوپ، اسلحہ اور ہتھیاروں کے نشانات کی تصدیق کیلئے؛ اس کے علاوہ صلاحیت سازی کے متعدد سالانہ سیمنارز میں بھی تعاون کیا۔ قومی اور صوبائی دونوں سطح پر پولیس کی کارکردگی میں بہتری لانے کیلئے پولیس سے متعلق ٹیکنالوجی کے متعارف ہونے کی بڑھتی ہوئی کاوشوں کے باوجود، ہم مطلوبہ اہلیت حاصل کرنے سے خاصے دور ہیں۔ پنجاب میں بھی جدید ترین اور سازوسامان سے لیس فارینزک لیب کی سہولت کے باوجود پولیس کی پرانی روایات میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی ہے۔ نہ تو تفتیش کے معیار اور نہ سزاؤں کی شرح اور نہ انسانی حقوق کی صورتحال میں ہی بہتری کی واضح علامات نظر آئی ہیں۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ برسوں پرانے پولیس کلچر میں بنیادی تبدیلیوں کے بغیر محض جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے کوئی خاص فرق نہیں پڑنے والا ہے۔

کارکردگی اور اہلیت کا بحران

مستعد اور موثر خدمت کی فراہمی، خصوصاً کارکردگی اور اہلیت کے بحران کی صورتحال میں، دنیا بھر میں بہت سی پولیس فورسز کی توجہ کا محور رہے۔ پاکستان جیسے ملک میں یہ بحران زیادہ شدید ہے جہاں پولیس میں بھرتیاں شاذ ہی میرٹ پر ہوتی ہیں۔ سروس میں آنے سے قبل اور سروس کے دوران معیاری تربیت کا فقدان ہے۔ ابھی تک ترقی کیلئے مسلسل پیشہ ورانہ تربیت کی شرط نہیں ہے۔ ترقی، کارکردگی اور اہلیت سے مشروط نہیں ہے۔ نہ تو اہلیت جانچنے کیلئے سائنسی بنیادوں پر مبنی کوئی پیمانے ہیں اور نہ کارکردگی کے تجزیے کیلئے کوئی پیرامیٹرز ہی بنائے گئے ہیں۔ سنیارٹی کم فٹنس کے اصول پر مبنی ترقی کی پالیسی کو بہترین میں سے بہتر کے چناؤ کیلئے نہیں اپنایا جاتا۔ آخر میں کمزور کارکردگی کے احتساب کے نظام کا عملی طور پر کوئی وجود نہیں ہے۔

تربیت

امن عامہ کے چیلنجوں کے تناظر میں بالخصوص، قانون نافذ کرنے کے امور کیلئے تبدیل ہوتی ہوئی ضروریات کے مدنظر پولیس فورس کی کارکردگی کیلئے تربیت ایک اہم ضرورت ہے۔ پولیس، معاشرے میں استحکام اور امن کی برقراری کیلئے اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جرائم کی روک تھام اور ان کا سراغ لگانے کیلئے ان کا مرکزی کردار ایسا کام ہے جو ہتھیاروں کی بڑھتی ہوئی دستیابی اور مواصلات کے سہل ہونے کے باعث پہلے سے زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ دہشت گردوں اور وائٹ کالر اور منظم مجرموں کی جانب سے مختلف حکمت عملی اپنانے نے پولیس کے تربیتی اداروں کو ایک بڑے چیلنج سے دوچار کیا ہے۔ لہذا، تربیتی پروگراموں کو نہ صرف پولیس کے روایتی کردار کی مطابقت میں ہونا پڑے گا بلکہ نئے چیلنجز اور ضرورتوں کے لحاظ سے بھی بامعنی ہونا پڑے گا۔ پولیس اہلکاران اور افسران کو اہل پیشہ ور بنانے کیلئے منظم اور موثر تربیت دینے کے لئے ذرائع وضع کرنے ہوں گے۔ 21ویں صدی کے پولیس چیلنجز اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ نئی ٹیکنالوجی اور مہارت کے شعبوں میں تربیت دی جائے۔ پولیس کی سروس

اب ایک پیشہ نہیں رہی۔ تربیت کے موجودہ نظام میں بنیادی تشکیل نو کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر قتل کی تفتیش کرنے والے اہلکاران کی اس شعبے میں ہونے والی حالیہ پیش ہائے رفت کے مطابق وقتاً فوقتاً تربیت ہونی چاہیے اور انہیں معمولی کی پولیس تربیت سے نہ گزارا جائے۔ پولیس منیجرز کی تربیت میں لیڈرشپ کی ترقی شامل ہونی چاہیے اور اس میں اہم اور جرات پسند سوچ ابھارنی چاہیے۔

اگرچہ تاخیر سے ہی سہی، پاکستان میں پولیس کی تربیت کے معیار میں قابل ذکر بہتری آئی ہے۔ تاہم تربیتی پروگراموں میں اب بھی مطلوبہ تبدیلی کی کمی ہے۔ مجموعی طور پر تربیتی فلسفہ ابھی تک فرسودہ خیالات سے آزاد نہ ہو پایا ہے۔ نیشنل پولیس بیورو، نیشنل پولیس اکیڈمی اور صوبائی پولیس تربیتی کالج، دیگر ممالک سے اشتراک سے انسداد دہشت گردی، انسانی حقوق اور اقوام متحدہ کے امن مشن کے شعبوں میں مختلف رینک کے پولیس افسران کیلئے تربیت کا اہتمام تو کرتے رہے ہیں تاہم ان افسران کی جانب سے مستقبل کی کارکردگی یا ان کے کیریئر کی پیش رفت میں ایسی تربیت کے اثرات ابھی تک غیر واضح ہیں۔ پاکستانی پولیس افسران کیلئے ترکی، ناروے، اٹلی اور کینیڈا میں بھی تربیتی کورسز کا باقاعدگی اہتمام کیا جا رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مختلف رینک کے پولیس افسران کی تربیتی ضروریات کا اندازہ لگایا جائے اور تربیت کیلئے نئے نصاب تیار کئے جائیں۔ جب تک تربیت کو پولیس کی پیشہ ورانہ حیثیت کا لازمی حصہ تصور نہیں کیا جاتا، اس کے معیار میں کوئی ڈرامائی تبدیلی نہیں آنے والی ہے۔ ہمیں پولیس کے پیشہ ور افراد کے مختلف زمروں کو سرٹیفکیٹ کے اجراء کیلئے پولیسنگ کالج کی ضرورت ہے۔ سرٹیفکیٹ یافتہ پولیس اہلکاران کو ہر سال 30 سے 40 گھنٹے کی مسلسل پیشہ ورانہ تربیت کے مراحل سے گزارا جائے۔ کالج آف پولیسنگ ان کے سرٹیفکیٹ معطل کر دے جو ان شرائط کو پورا نہ کریں۔ ایسے افراد کو اگلے عہدے پر ترقی بھی نہ دی جائے۔ جہاں تک محکمانہ تربیت کا تعلق ہے۔ اسے عموماً وقت اور وسائل کا ضیاع سمجھا جاتا ہے۔ اس بات کی کوئی شہادت نہیں کہ عام لازمی سینئر مینجمنٹ کورس یا نیشنل مینجمنٹ کورس کرنے والے بعد میں اپنے شعبوں میں بہتر کارکردگی دکھاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ بنیادی تبدیلی لائی جائے اور نیشنل سکول آف پبلک پالیسی میں مشترکہ تربیت کا چار ہفتہ کا کورس کروایا جائے جس کے بعد نیشنل سکول آف پبلک پالیسی یا ان کے اپنے تربیتی اداروں میں 3 سے 4 ہفتے کا ہر سروس گروپ کے اپنے شعبے کی پیشہ ورانہ تربیت کا اہتمام کیا جائے۔

سیاسی بھرتیاں، تعیناتیاں اور ترقیاں

پولیس میں سیاسی بھرتیاں، تعیناتیاں اور ترقیاں ہماری پولیس تنظیموں کیلئے زہر قاتل ہیں۔ اگر کسی پولیس افسر کی بھرتی میرٹ پر نہیں ہوتی تو وہ نہ تو تربیت کو سنجیدگی سے لے گا اور نہ اپنی تعیناتی کو اس وقت تک قبول کرے گا جب تک کہ یہ اس کی مرضی سے نہ ہو۔ بیرونی دباؤ کے استعمال سے وہ اپنی ترقی کا بھی سامان کر لے گا۔ اس کے افسران اس کی واضح غلط کاریوں پر بھی اس کا احتساب نہ کر پائیں گے۔ بلاشبہ عام محکمانہ کارروائیوں میں اس کے پورے کیریئر کے دوران اس کی من مرضی کا پولیس کی تنظیم پر بہت غلط اثر پڑتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پولیس جمہوری معاشرے کے اہم جزو کی بجائے عدم استحکام اور خوف کا سبب ہے۔

اگرچہ کانسٹیبل کی سطح پر بھرتی اب بیرونی ذرائع جیسے نیشنل ٹیسٹنگ سروس کے ذریعے ہوتی ہے، تاہم اس عمل میں اب بھی شفافیت اور معتبر ہونے کے فقدان ہے۔ اس سے پولیس قیادت کی نااہلی کی بھی عکاسی ہوتی ہے کہ وہ ایسے کام کرنے میں نااہل ہیں جو عوامی اعتماد پر پورا اترنے کیلئے ضروری ہیں۔ کم از کم پنجاب اور خیبر پختونخواہ میں اسسٹنٹ سب انسپکٹر/سب انسپکٹر کے عہدوں پر بھرتی متعلقہ پبلک سروس کمیشن کے ذریعے ہوتی ہے جہاں پولیس آرڈر 2002 نافذ العمل ہے۔ البتہ ہر جگہ ASP صاحبان کی بھرتی وفاقی پبلک سروس کمیشن کے ذریعے ہوتی ہے۔ تاہم ریاستی اداروں میں جو صورتحال موجود ہے، کمیشن کے ذریعے ہونے والی بھرتی کو

بھی مکمل طور پر بدعنوانی سے پاک تصور نہیں کیا جا سکتا۔

پورے ملک کیلئے یکساں پولیس قانون، جو پولیس کے معاملات میں بیرونی مداخلت کو جرم گردانتا ہو، کے ساتھ ساتھ مطلوبہ وسائل کی دستوری فراہمی سمیت بنیادی تنظیمی اصلاحات، میرٹ پر مبنی، اچھی کارکردگی والی، قابل اعتبار، قابل احتساب اور پیشہ ور پولیس فورسز کیلئے ضروری ہیں۔

انتظامی مسائل

پاکستان میں فرسودہ اور دقیانوسی پولیس سروس کو بہت سے انتظامی مسائل کا سامنا ہے۔ ان میں ورثے میں ملنے والا پولیس نظام، پولیس میں سیاست، ڈھانچے کی خامیاں، پولیس کی کارکردگی کے پیمانوں کا بین الاقوامی معیار کے مطابق نہ ہونا، پیشہ ورانہ پولیس صلاحیت کا فقدان، پولیس نظام کا حالیہ چیلنجز کے مطابق نہ ہونا، پولیس کی من مانی اور بدعنوانی، احتساب کی کمی، براہ راست بھرتی بمقابلہ ترقی یافتہ افسران، ناکافی پولیس بجٹ، خراب حالات کار، ناکافی فارنزک اور ٹیکنالوجی معاونت اور پولیس اور عوام کے تعلقات کی خراب صورتحال شامل ہیں۔ خفیہ اداروں میں موثر رابطے کا فقدان بھی اہم انتظامی خامی ہے۔

اگرچہ متعدد انتظامی مسائل کا ذکر ہو چکا ہے تاہم کچھ دیگر پہلوؤں کا ذیل میں مختصر احوال دیا جا رہا ہے:

پولیس کی ناکافی تعداد اور ناکافی پولیس بجٹ

پاکستان پولیس کے نظام میں معیار اور مقدار کے سنگین نقائص ہیں۔ اقوام متحدہ کے معیار کے مطابق پولیس اور آبادی کی شرح 1:222 ہونی چاہیے جبکہ پاکستان میں یہ شرح 1:500 ہے جو بہت کم ہے۔

اگر ہم پولیس اہلکاران کی تقریباً 30 فیصد اس تعداد کو علیحدہ کر دیں جو صرف VIP افراد کی حفاظت کیلئے مامور ہے تو پہلے سے کم شرح 1:720 رہ جاتی ہے۔ یہ بات اہم ہے کہ پولیس اور آبادی کی شرح پر بحث کرتے ہوئے ہم دیگر پہلوؤں کو بھی مدنظر رکھیں جیسے پولیس فورس کا معیار اور امن عامہ کے درپیش چیلنجز کی نوعیت اور وسعت۔

جہاں تک پولیس بجٹ کا تعلق ہے، 1985 میں پولیس پر ہونے والی فی کس رقم، پولیس کمیٹی کی رپورٹ 1985 کے مطابق 22 روپے یا 1.375 امریکی ڈالر (ایک ڈالر=16 روپے) تھی۔ 2015 میں امن عامہ کے غیر معمولی چیلنجز کے باوجود پولیس پر فی کس اخراجات 105 روپے یا ایک

	A	B	C	D	E
	آبادی	پولیس کی تعداد	پولیس اور آبادی کی شرح	بجٹ 16-2015 (بلین روپے)	پولیس پر فی کس اخراجات (D/A)
پنجاب	91,379,615	180,000	507	87.90	96 روپے
سندھ	55,245,497	105,234	524	61.82	112 روپے
خیبر پختونخواہ	26,896,829	65,000	414	32.74	121 روپے
بلوچستان	13,162,222	38,000	346	13.70	104 روپے

ڈالر (ایک ڈالر=105 روپے) ہیں۔ بالفاظ دیگر ہماری پولیس پر ہونے والے اخراجات ڈالر کے لحاظ سے دراصل 0.375 ڈالر کم ہو گئے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ 1985 کے مقابلے میں 2015 میں چاروں صوبوں کے پولیس بجٹ میں 73 بلین روپے کی بڑی کمی واقع ہوئی ہے۔ واضح رہے کہ دنیا بھر میں پولیس پر اوسط سالانہ فی کس خرچہ 50 ڈالر ہے جبکہ کچھ ممالک جیسے امریکا اور برطانیہ اس حوالے سے 250 ڈالر اخراجات کر رہے ہیں۔

کم بجٹ کا واضح مطلب یہ ہے کہ رینک اور فائل تنخواہوں، رہائش، ٹرانسپورٹ کی سہولیات اور صحت کیلئے کافی رقم دستیاب نہیں ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ امر پولیس کی بڑی انتظامی بدعنوانی اور من مانی کا باعث بنتا ہے۔

درجہ بندی کے مسائل

پاکستان میں پولیس فورسز میں بہت زیادہ درجہ بندی ہے۔ بہتر پولیس والے ممالک میں سینئر اور جونیئر افسران میں کنٹرول کی موجودہ شرح 1:3 اور 1:4 ہے جبکہ پاکستان میں یہ شرح 1:7 ہے۔ درحقیقت پولیس فورس کا 85 فیصد حصہ کم عہدے کے کانسٹیبل اور ہیڈ کانسٹیبل افراد پر مشتمل ہے۔ ترقی کے کم امکانات فورس کے مورال پر برا اثر ڈالتے ہیں۔ پولیس قیادت کا چیلنج اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ مختلف سطحوں پر براہ راست بھرتی کو اس طور منظور کیا جائے کہ کسی خاص زمرے یا رینک کو نقصان یا اس سے امتیازی سلوک نہ ہو۔

تین سطحوں یعنی کانسٹیبل، اے۔ ایس۔ آئی/ایس۔ آئی اور اے ایس پی پر بھرتی کے فورس کی اندرونی ہم آہنگی پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اب جبکہ پولیس فورسز کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ اس کا انصرام مشکل ہو گیا ہے۔[21]

وقت آ گیا ہے کہ بڑی فورسز کے موثر اور مستعد انصرام کیلئے پولیس قیادت قابل عمل حل پیش کرے جو عالمی بہترین روایات پر مبنی ہو۔ غالباً اب وقت آ گیا ہے کہ ہر صوبے میں سیکیورٹی ڈیوٹی پر مامور 30 فیصد اہلکاران کو علیحدہ آئی۔ جی۔ پی (سکیورٹی) کے ماتحت کر دیا جائے۔ یہ آئی۔ جی۔ پی (سکیورٹی) ایڈیشنل آئی۔ جی۔ پی یا ڈی۔ آئی۔ جی۔ پی عہدے کا افسر ہو سکتا ہے۔ اس منفرد فورس کی تعلیمی قابلیت، تربیت اور تنخواہ کا پیکج اعلیٰ پیشہ ورانہ، بہتر تربیت یافتہ اور بہتر تنخواہ والے پولیس اہلکار، جو پولیس تھانے میں ڈیوٹی دیتے ہیں، سے نسبتاً کم ہو۔

غیر موثر جاسوسی تعاون

پولیس سٹیشن کی سطح پر فوری مجرمانہ جاسوسی ممکنہ طور پر دستیاب ہے۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ پولیس اور عوام کے خراب باہمی تعلقات کے باعث، کمیونٹی سے مقامی پولیس تک آنے والی جاسوسی کے راستے عملی طور پر بند ہیں۔ اس لئے پولیس سٹیشن کی تنظیم نو از حد ضروری ہے۔

پولیس کے علاوہ انٹیلی جنس بیورو، آئی۔ ایس۔ آئی، ایم۔ آئی اور صوبائی سپیشل برانچز بھی باقاعدگی سے انٹیلی جنس اکٹھی کرنے کے ذمہ دار ادارے ہیں۔ تاہم، انٹیلی جنس شیئر کرنے کے مستعد نظام کی غیر موجودگی کے باعث، مختلف ایجنسیوں کے پاس دستیاب انٹیلی جنس معلومات کو موثر طریقے سے استعمال نہیں کیا جاتا۔ خصوصاً دہشت گردی کے چیلنج کے پیش نظر ہمیں مختلف فریقین میں مستحکم شراکت تعمیر کرنے اور سنگین جرائم میں ملوث عناصر کو شکست دینے کیلئے مشترکہ لائحہ عمل اپنانے کیلئے ملٹی ایجنسی تناظر فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔

پولیس آرڈر 2002 کے تحت فراہم کردہ دستوری انفارمیشن شیئرنگ کا پلیٹ فارم نیشنل پولیس بیورو، وزارت داخلہ تھا۔ 2008 میں وزیر اعظم سیکرٹریٹ میں نیشنل سیکیورٹی ایڈوائزر کے عہدے کا قیام عمل میں آیا۔ حال

ہی میں 18 ۔مارچ 2014 کو وزیراعظم نے ہدایت کی کہ پاکستان میں سکیورٹی کی صورتحال میں بہتری لانے کیلئے قومی اور صوبائی انٹیلی جنس ذرائع کو یکجا کرنے کیلئے نیکٹا کے تحت فوری طور پر نیشنل انٹیلی جنس ڈائریکٹوریٹ تشکیل دیا جائے۔تاہم چونکہ نیکٹا کو بھی ابھی فعال ہونا ہے' NIS کا مستقبل بھی غیرواضح ہے۔

دہشت گردی کے مسائل

دہشت گردی جرم کی ایک قسم ہے جس نے کچھ عرصہ سے پاکستان کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔1977 میں شروع ہونے والی الذوالفقار کی سیاسی دہشت گردی تقریباً ایک دہائی تک جاری رہی۔1990 کی دہائی میں شروع ہونے والی لسانی وسیاسی شہری دہشت گردی اور فرقہ ورانہ دہشت گردی ابھی تک جاری ہے۔تاہم 11 ستمبر کے واقعے کے بعد القاعدہ اور اس کے اتحادیوں کی شروع کردہ دہشتگردی سب سے خطرناک ثابت ہوئی ہے۔

حسن عباس' جو پولیس سروس آف پاکستان کے سابق افسر اور نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی' واشنگٹن ڈی۔سی میں انٹرنیشنل سکیورٹی افیئرز کے پروفیسر ہیں' نے پاکستان کے پولیس نظام پر قابل قدر کام کیا ہے۔اپنے مقالے' انسداد بغاوت میں پاکستانی پولیس کا کردار' میں انہوں نے ثابت کیا کہ انسداد بغاوت کی مہموں میں پولیس کے ادارے کا بنیادی اور اہم ترین کردار ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی انہوں نے تحریر کیا ہے کہ امن عامہ کے مسائل اور پاکستانی ریاست کے قیام کے فوری بعد سے اندرونی خلفشار کے باوجود ریاست پاکستان پولیس کے ادارے کو مناسب توجہ دینے میں بری طرح ناکام ہوئی ہے۔انسداد دہشت گردی کی مہم کو موثر انداز میں نبھانے میں حائل مختلف عوامل کا تجزیہ کرتے ہوئے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ قیادت کے عوامل' سیاسی حمایت' زیادہ وسائل اور مالی ترغیبات پولیس کے کامیاب آپریشن میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔انہوں نے پولیس آرڈر 2002 پر مکمل عملدرآمد' نیشنل پولیس بیورو کی صلاحیت سازی اور منتخب پولیس افسران کی انسداد دہشت گردی کی مخصوص تربیت کی تجاویز دی ہیں۔

آکسفرڈ یونیورسٹی نے ایک تحقیقی رسالہ ''پولیسنگ: پالیسی اور پریکٹس کا رسالہ'' شروع کیا ہے جس میں پولیس سے متعلق مواد' پریکٹیشنرز' محققین اور پالیسی سازوں کی روایات' قانونی وسیاسی پیش ہائے رفت اور تدریسی تحقیق شائع ہوتی ہے۔اس کا پہلا شمارہ' جو 2007 میں شائع ہوا' دہشت گردی سے متعلق موضوعات کیلئے وقف تھا۔ نیوجرسی' امریکا کی یونیورسٹی کے پروفیسر رونالڈ وی کلارک اور نیویارک یونیورسٹی کے پروفیسر گرائم آر نیو مین نے اس شمارے کیلئے مشترکہ طور پر ایک مقالہ ''پولیس اور دہشت گردی کی روک تھام'' تحریر کیا۔اس کے مطابق مستقبل میں دہشت گردی کے حملوں کی روک تھام کیلئے نیشنل سکیورٹی تنظیموں' انٹیلی جنس ایجنسیوں اور مقامی پولیس میں شراکت ضروری ہے۔اور یہ کہ پولیس اس شراکت میں اہم اور مرکزی کردار ادا کرے۔پولیس کا کردار اس لئے اہم ہے کیونکہ وہ دہشت گردی کے مقامی خطرات اور ان کے ممکنہ اہداف سے بہتر طور پر آگاہ ہونے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں۔نیز یہ کہ وہ دہشت گردی کے حملوں میں اولین ردعمل دینے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں۔وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ کمیونٹی پولیس نظام میں توسیع انٹیلی جنس معلومات اکٹھی کرنے اور عام اور معمولی جرائم کی روک تھام میں مددگار ہوسکتی ہے اور اس مقصد کیلئے پولیس فورس کو چاہیے کہ وہ معمولی جرائم کی روک تھام' سروس ڈیلیوری' معلومات کے استعمال اور جائزے اور سکیورٹی سے متعلق دیگر سرکاری اور نجی اداروں کے ساتھ شراکت کے قیام پر زور دے (کلارک اور نیومین' 2007)۔

انسداد دہشت گردی کی مہمات عموماً کثیرالنوع اور کثیرالجہتی ہوتی ہیں اور ایک سے زائد طریقوں سے انجام دی جاتی ہیں۔دانشور حضرات نے دہشت گردی سے نمٹنے کے تین مختلف رجحانات کی نشاندہی کی ہے۔ان

میں (i) مذاکرات کا استعمال‘ (ii) جرائم کے نظام انصاف کے تحت قانون کے نفاذ کا استعمال‘ اور (iii) فوجی آپریشن شامل ہیں۔ یہ رجحانات ایک دوسرے سے آزاد یا علیحدہ نہیں ہیں اور صورتحال کے مطابق اکثر بیک وقت یا اکٹھے استعمال ہوتے ہیں۔ ان تینوں رجحانات میں سے موزوں عناصر کو ملا کر پالیسی گائڈ لائن وضع کی جاتی ہے جس کا مختلف سیاسی تناظر میں دہشت گردی کی متعدد مہموں پر اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ (Wilkinson, 2002)

اگرچہ پاکستان میں دہشت گردی کے خلاف جنگ میں فوجی اور نیم فوجی فورسز اہم کردار ادا کر رہی ہیں‘ دہشت گردی پر قابو پانا بنیادی طور پر پولیس کا کام ہے۔ اگر پولیس کی تربیت مناسب ہو‘ وہ ساز و سامان سے لیس ہو اور اس کے پاس وسائل ہوں تو وہ انسداد دہشت کی کارروائیوں جیسے ان کے سراغ لگانے‘ تفتیش کرنے اور مقدمہ چلانے اور پیشگی اقدامات کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے۔ ان کا انٹیلی جنس کا نظام جو پولیس تھانے کی سطح پر پھیلا ہوتا ہے‘ دہشت گردی کے خلاف جنگ کرنے کیلئے ایک موثر ہتھیار ہو سکتا ہے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے دوران پاکستان پولیس نے بے مثال قربانیاں دی ہیں اور کئی جنگیں جیتی ہیں۔ وہ اس سے بھی بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتی ہے۔ وہ اپنے مینڈیٹ پر کیوں پورا نہیں اتر رہی‘ اس کی وجوہات میں پولیس میں سیاست‘ پیشہ ورانہ مہارت کی کمی‘ ناکافی وسائل اور اکثر نااہل قیادت کا ہونا ہے۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ ہماری پولیس فورسز کی انسداد دہشت گردی کی صلاحیت سازی میں دوست ممالک کی تکنیکی معاونت اہم کردار ادا کر رہی ہے‘ ہمیں پولیس کی صلاحیتوں کو بہتر بنانے کیلئے خصوصاً پولیس تربیت کو جدید بنانے اور بیرون ملک پیشہ ورانہ بہتری کے پروگراموں کو تخلیق کرنے اور وسعت دینے کے حوالے سے بین الاقوامی برادری سے زیادہ مستحکم تعلقات بنانے کی ضرورت ہے۔

پولیس اصلاحات میں غیر سرکاری تنظیموں اور سول سوسائٹی کا کردار

پوری دنیا میں پولیس ریاست کی محافظ ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا‘ پاکستان میں پولیس کا نظام قدیم نوآبادیاتی ماڈل پر مبنی ہے جس میں فوری تبدیلی کی ضرورت ہے۔ یہ تبدیلی مقامی اور غیر ملکی غیر سرکاری تنظیموں‘ سول سوسائٹی‘ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا‘ کمیونٹی تنظیموں‘ نظریاتی گروپوں‘ خیراتی تنظیموں‘ حق حصول معلومات کے سرگرم کارکنوں‘ پیشہ ورانہ انجمنوں‘ وکلاء‘ انسانی حقوق کے گروپوں اور اقلیتوں اور غیر محفوظ طبقات کے حامی افراد کے بغیر ممکن نہیں۔ نہ تو تمام غیر سرکاری تنظیمیں اور سول سوسائٹی کے گروپ انتظامی اصلاحات کی وکالت کرتے ہیں اور نہ وہ پالیسی ایڈووکیٹ یا جسٹس سیکٹر مصلح کا کردار ہی ادا کرتے ہیں۔ غیر سرکاری تنظیمیں اور سول سوسائٹی پولیس کے مسائل کے بارے میں عوامی آگہی اجاگر کرنے‘ پولیس کی روایات پر بحث کو فروغ دینے‘ پولیس کی غلط روی کو بے نقاب کرنے‘ پولیس کی کارکردگی کا جائزہ لینے‘ پولیس میں شفافیت اور موثر احتساب کا مطالبہ کرنے اور اصلاحات کی آواز اٹھانے کے ذریعے پاکستان کے پولیس نظام پر لگے ہوئے داغ کو دھونے اور پولیس اصلاحات میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ پولیس کی بدعنوانی کو بے نقاب کرنے حتیٰ کہ پولیس کی مشکلات کو اجاگر کرنے اور پولیس کے تاثر کو بنانے اور بگاڑنے میں میڈیا خاص طور پر اہم کردار ادا کرتا ہے۔

غیر سرکاری تنظیمیں اور سول سوسائٹی پاکستان میں جمہوری پولیس نظام کے فروغ کے لئے مل کر کئی اہم طریقوں سے کام کر سکتے ہیں۔ مقامی غیر سرکاری تنظیموں جیسے پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف لیگل ڈویلپمنٹ‘ سنٹر فار پیس اینڈ ڈویلپمنٹ انیشیٹو‘ پاکستان فورم آن ڈیموکریٹک پولیسنگ‘ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل پاکستان اور کنزیومر رائٹس کمیشن آف پاکستان‘ نیز بڑی بین الاقوامی تنظیموں جیسے انٹرنیشنل کرائسز گروپ‘ ایشیاء سوسائٹی اور کامن ویلتھ ہیومن رائٹس انیشیٹو نے پاکستان میں پولیس اصلاحات میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ مستقبل کا لائحہ عمل یہ ہونا چاہیے کہ سول سوسائٹی سے

پائیدار اور مستحکم تعلقات استوار کئے جائیں۔

کمزور پولیس نظام کے اثرات

آئین کے تحت، پولیس نظام کی بنیادی ذمہ داری صوبائی حکومتوں کے پاس ہے۔ صوبائی حکومتوں کی جانب سے سالہا سال تک پولیس کے غلط استعمال اور نظر انداز کئے جانے کے باعث پولیس ایک جمہوری معاشرے کا اہم جزو ہونے کی بجائے عدم استحکام اور خوف کا ذریعہ ہے۔ پولیس کی استعداد کار کیلئے بڑی خرابی ہونے کے ناطے سیاسی اور افسر شاہی کی مداخلت نے پولیس کو غیر موثر اور بے کار بنا دیا ہے۔ سیاسی بھرتیاں، تبدیلیاں اور ترقیاں، کم معاوضہ اور کمزور اندرونی و بیرونی احتسابی نظام وہ بنیادی وجوہات ہیں جو پولیس میں بدعنوانی اور خودسری کا باعث ہیں اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام اور پولیس میں فاصلے خاصے بڑھ گئے ہیں۔ چونکہ پولیس کے روزمرہ کے امور نمٹانے کیلئے بھی کافی فنڈ فراہم نہیں ہوتے، سو کچھ بدعنوانی تو بجٹ کے اس خلاء کو پر کرنے کیلئے ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے کبھی کبھار پولیس اور جرائم پیشہ افراد میں بقائے باہمی کا تعلق بن جاتا ہے۔ تفتیش کو بگاڑنے، مجرموں کو بچانے یا سنگین جرائم کی اعانت یا نظر انداز کرنے کیلئے رشوت کا تبادلہ ہوتا ہے۔

خراب حالات کار بھی بے چینی اور کم مورال کی اہم وجہ ہیں جس سے اداراتی استعداد پر برا اثر پڑتا ہے۔ اس طرح پولیس نظام بجائے خود سماجی بدنظمی کی وجہ بن جاتا ہے۔ سونے پر سہاگہ یہ ہے کہ قوم نے غیر اطمینان بخش پولیس نظام کی بھاری سیاسی، سماجی اور اقتصادی قیمت ادا کی ہے۔

عملی طور پر 1947 سے اب تک پولیس کو منضبط کرنے والے قانون یا تھانہ کلچر میں کوئی مثبت تبدیلی نہیں آئی ہے۔ پولیس ایک خطرناک تاریخی غلطی بن چکی ہے جو ابھرتی ہوئی جمہوریت کے مطابق نہیں ہے۔ ماضی میں امن عامہ کے غلط انصرام کو فوجی قبضے کی بڑی وجہ بیان کیا جاتا رہا ہے۔ کراچی میں رینجرز کی لمبے عرصے تک تعیناتی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ غیر اطمینان بخش پولیس نظام کے پیدا کردہ خلا کو پر کئے بغیر نہیں چھوڑا جا سکتا۔

قانون کے نفاذ کے نظام میں بہتری کیلئے عوامی تشویش کبھی اتنا زیادہ نہیں رہی۔ اس بات کو اب تسلیم کیا جانے لگا ہے کہ اس کام کیلئے فریقین کی جانب سے ٹھوس اقدامات کئے جانے چاہیئں جن میں ریاست، نجی شعبہ اور سول سوسائٹی شامل ہیں۔ اہم متعلقہ کرداروں میں مستحکم اشتراک اور تعاون کے بغیر معیار زندگی میں خاص بہتری کی کوئی امید نہیں کی جا سکتی۔ روشن خیال اور پرعزم قیادت، عوامی شعور اور تعاون میں اضافے اور متحرک اور اچھی قیادت والا نجی شعبہ تبدیلی کیلئے اسی طرح نہایت ضروری ہے جیسا کہ سول سوسائٹی ہے جو قانون کی حکمرانی کے اعلیٰ معیارات کا مطالبہ کرتی ہے اور اس کی حمایت کرتی ہے۔

قانون کے نفاذ کے کمزور معیار اور پولیس کی انتظامی خامیوں میں تعلق قائم کرنے کی بحث میں الجھے بغیر، جمہوری پولیس نظام کی مدح سرائی میں وقت صرف کرنا بیکار ہے۔ اگر قانون کی حکمرانی کی ذمہ دار تنظیم ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو تو محض مدح سرائی ہمیں کہیں نہیں پہنچائے گی۔ اگر گاڑی چلے گی ہی نہیں تو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کا رخ کس جانب ہے۔ ہم کبھی منزل پر نہیں پہنچیں گے۔ آج یہ بات اہم نہیں ہے کہ پولیس کیا کرتی ہے بلکہ سوال یہ ہے کہ وہ ایسا کیوں کرتی ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ پولیس کو پاکستان کے استحکام اور سکیورٹی کیلئے کام میں لایا جائے۔

گزشتہ ساٹھ سال سے زائد عرصہ میں رائے عامہ کے قائدین نے پولیس نظام کے بڑھتے ہوئے بحران کو روائتی طریق سے حل کرنے کی بات کی ہے۔ وہ پولیس کو الزام دیتے ہیں۔ وہ پولیس کی جانب سے اختیارات کے غلط استعمال اور بدعنوانی کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔ انہوں نے اس میں تبدیلی کی حمایت کیلئے ضروری عزم کی بجائے اسے زیادہ تنقید کا نشانہ بنایا

ہے۔تاخیر سے ہی سہی، تاہم پولیس اصلاحات کی بحث میں اب زیادہ سنجیدہ لوگ شامل ہو گئے ہیں۔میڈیا میں اب تبدیلی کیلئے معاملات پر توجہ دی جا رہی ہے۔امید ہے کہ ایسے دلائل میں الجھے بغیر جنہوں نے ماضی میں اصل مسائل کو گہنائے رکھا اور بامقصد سوچ میں رکاوٹ پیدا کئے رکھی، اب یہ ممکن ہو گیا ہے کہ عوامی مفادات کے مطابق پولیس اصلاحات کیلئے سنجیدہ کوششیں ہوں گی۔ہم کتنے عرصے تک قانون کے نفاذ کے معیار کو مختلف مفاد پرست گروہوں کے مابین جھگڑے کی نظر کئے رکھیں گے۔

علاقائی اور بین الاقوامی بہترین روایات

ہر تنظیم کچھ اصولوں پر قائم ہوتی ہے جو اس تنظیم کے بنیادی مقاصد ہوتے ہیں۔ پولیس کے ادارے کے بھی کچھ اصول ہیں جو پولیس ڈیوٹیوں کے دوران دکھائی دیتے ہیں۔ مختلف تنظیموں اور لوگوں نے وقت کی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق اصول طے کر رکھے ہیں۔ یہ اصول پولیس کے کردار' امور' فرائض اور ذمہ داریوں کے حوالے سے بین الاقوامی بہترین روایات کا مختصر احوال پیش کرتے ہیں۔

پیلئن اصول

سر رابرٹ پیل' جو لندن میٹروپولیٹن پولیس کے بانی تھے اور بعد میں برطانیہ کے وزیر اعظم بنے' نے 1829 میں لندن کیلئے پولیس کے نظام کی تجویز دیتے ہوئے مثالی نظام پولیس کیلئے نو رہنما اصول متعین کئے؛

۱۔ پولیس کا وجود جس بنیادی مشن کیلئے ہے وہ فوجی طاقت کے متبادل کے طور پر جرائم اور بدامنی کا خاتمہ کرنا ہے۔

۲۔ اپنے فرائض کی انجام دہی میں پولیس کی صلاحیت' پولیس ایکشن کی عوامی تائید اور عوام کی جانب سے عزت کے حصول اور اس کی برقراری پر منحصر ہے۔

۳۔ پولیس کی ذمہ داری ہے کہ قانون کی رضا کارانہ تعمیل کیلئے عوامی تائید و تعاون حاصل کرے تا کہ ان کی عزت نفس کو محفوظ اور برقرار رکھا جا سکے۔

۴۔ مقاصد کے حصول کیلئے زیادہ سے زیادہ عوامی تائید حاصل کر کے' فزیکل فورس کے استعمال کو مناسب حد تک کم کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ پولیس' عوامی رائے کے احترام کے ذریعے نہیں بلکہ قوانین پر مکمل اور غیر جانبدارانہ عمل کے مستقل اظہار اور مرتبے سے قطع نظر معاشرے کے تمام ارکان کو خدمات کی فراہمی اور دوستانہ سلوک کے ذریعے عوامی تائید حاصل کرتی ہے اور اسے برقرار بھی رکھتی ہے۔

۶۔ پولیس' قانون کی تعمیل یا امن عامہ کے تحفظ کیلئے اس وقت فزیکل فورس کو استعمال میں لا سکتی ہے جب ترغیب' نصیحت اور تنبیہ ناکافی ثابت ہوں۔ اگر ضروری ہو تو مقاصد کے حصول کیلئے کسی خاص موقع پر کم از کم حد تک فورس استعمال کی جائے۔

۷۔ پولیس کو ہمہ وقت عوام سے ایسا تعلق قائم رکھنا چاہیے جو اس تاریخی روایت کو حقیقت کا روپ دے کہ پولیس عوام ہیں اور عوام پولیس ہیں۔ پولیس خود عوام میں سے ہے اور اسے صرف اس لئے تنخواہ دی جاتی ہے کہ وہ ہمہ وقت کمیونٹی کے مفاد' ویلفیئر اور بقا کے وہ فرائض تندہی سے انجام دے جو بصورت دیگر ہر شہری کا فرض ہے۔

۸۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پولیس ہمیشہ اپنے فرائض کی تعمیل پر سختی سے عمل پیرا رہے اور عدلیہ کے اختیارات کو غصب کرنے اور جرم کا فیصلہ کرنے اور مجرم کو سزا دینے سے گریز کرے۔

۹۔ پولیس کی کارکردگی کی جانچ کا پیمانہ جرائم اور بدامنی کا خاتمہ ہے نہ کہ اس سے نمٹنے کیلئے محض پولیس ایکشن کا نظر آنا۔ (چودھری 1997)

سر رابرٹ مارک کے دیئے گئے اصول

لندن میٹروپولیٹن پولیس کے پولیس کمشنر' سر رابرٹ مارک (1970) نے ''سیاسی مداخلت سے آئینی آزادی کی طویل روایت'' کی حمایت کرتے ہوئے کہا:

> ''پولیس' کسی بھی سطح پر حکومت کی ملازم نہیں ہے۔
> ہم کسی وزیر یا کسی سیاسی جماعت کے ایماء پر کام

نہیں کرتے بلکہ حکومتی جماعت کی ایماء پر بھی نہیں۔ ہم مجموعی طور پر عوام کے ایماء پر کام کرتے ہیں۔''

قانون نافذ کرنے والے اہلکاران کیلئے اقوام متحدہ کا ضابطہ اخلاق

آرٹیکل 1

قانون نافذ کرنے والے اہلکاران' کمیونٹی کی خدمت اور غیر قانونی اقدامات کے خلاف ہر شخص کے تحفظ کی ذمہ داری ہمہ وقت انجام دیں گے جو ان پر قانون کے تحت عائد کی گئی ہے۔ نیز اپنے پیشے کے تقاضے کے مطابق یہ ذمہ داری نہایت احسن طریقے سے نبھائیں گے۔

آرٹیکل 2

اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران' قانون نافذ کرنے والے اہلکاران انسانی وقار کا احترام اور تحفظ کریں گے اور تمام افراد کے انسانی حقوق کو برقرار رکھیں گے۔

آرٹیکل 3

قانون نافذ کرنے والے اہلکاران صرف اس وقت طاقت کا استعمال کریں گے جب بہت ضروری ہوگا اور صرف اس حد تک کریں گے جو ان کے فرائض کی ذمہ داری کیلئے درکار ہو۔

آرٹیکل 4

قانون نافذ کرنے والے اہلکاران کے قبضے میں خفیہ نوعیت کے معاملات کو اس وقت تک خفیہ رکھا جائے گا جب تک کہ فرائض کی ادائیگی یا انصاف کے تقاضے بصورت دیگر متقاضی ہوں۔

آرٹیکل 5

قانون نافذ کرنے والا کوئی اہلکار تشدد کا کوئی عمل یا دیگر ظالمانہ' غیر انسانی یا غیر اخلاقی سلوک نہیں کرے گا اور نہ کوئی اہلکار اعلیٰ احکامات یا غیر معمولی حالات جیسے حالت جنگ یا جنگ کا خطرہ' قومی سلامتی کو خطرہ' داخلی سیاسی عدم استحکام یا کسی دیگر عوامی ہنگامی صورتحال کو تشدد یا غیر انسانی و غیر اخلاقی سلوک کا جواز بنائے گا۔

آرٹیکل 6

قانون نافذ کرنے کے ذمہ دار اہلکاران اپنی کسٹڈی میں افراد کی صحت کے مکمل تحفظ کو یقینی بنائیں گے اور خصوصی طور پر جب ضرورت پڑے طبی امداد حاصل کریں گے۔

آرٹیکل 7

قانون نافذ کرنے والے اہلکار کوئی بدعنوانی نہیں کریں گے۔ وہ ایسے تمام اقدامات کی سختی سے مخالفت کریں گے اور ان کا مقابلہ کریں گے۔

آرٹیکل 8

قانون نافذ کرنے والے اہلکاران قانون اور موجود ضابطے کا احترام کریں گے۔ وہ اپنی بہترین صلاحیت کے مطابق ان کی ہر قسم کی خلاف ورزی کی سختی سے مخالفت کریں گے۔

قانون نافذ کرنے والے وہ اہلکار جن کے پاس یہ یقین کرنے کی وجہ ہو کہ موجود ضابطے کی خلاف ورزی ہوئی ہے یا ہونے والی ہے' اپنے حکام بالا کو اس سے آگاہ کریں گے اور جب ضروری ہو تو ایسے دیگر حکام کو بھی مطلع کریں گے جن کے پاس نظر ثانی یا دادرسی کے اختیارات ہوں۔

جمہوری نظام پولیس کے اصول

بوسنیا ہرزیگووینا کے تنازعے کے دوران، متحارب جماعتیں، یورپی یونین اور اقوام متحدہ کے نمائندے اور دیگر فریقین ینگز ٹاؤن، اوہائیو (امریکا) میں اکٹھے ہوئے تاکہ ملک میں نئی پولیس فورس کے قیام کے امکانات پر بحث کر سکیں۔ مستحکم اور ابھرتی ہوئی دونوں جمہوریتوں میں پولیس کی رہنمائی کیلئے اس بحث کے نتیجے میں ہونے والے معاہدے ''ینگز ٹاؤن معاہدہ'' میں سات اصول اختیار کئے گئے:

۱۔ پولیس کو لازمی طور پر جمہوری اصولوں کے مطابق کام کرنا چاہئے۔

۲۔ عوامی اعتماد کے حامل کے طور پر پولیس کو پیشہ ور فورس تصور کیا جانا چاہیے جس کی کارگزاری پیشہ ورانہ کوڈ کے ذریعے مضبوط کی جائے۔

۳۔ زندگی کا تحفظ پولیس کی اولین ترجیح ہونی چاہیے۔

۴۔ پولیس کو لوگوں کی خدمت کرنی چاہیے اور اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے احتساب کیلئے پیش کرنا چاہیے۔

۵۔ عوام کو پتہ ہونا چاہیے کہ زندگی اور املاک کی حفاظت پولیس کی بنیادی ذمہ داری ہے۔

۶۔ پولیس کو اپنے فرائض، انسانی وقار اور بنیادی انسانی حقوق کے احترام کے ساتھ انجام دینے چاہئیں۔

۷۔ پولیس کی جانب سے اپنے فرائض غیر جانبدارانہ انداز سے انجام دینے کی توقع کی جاتی ہے (Traivis, 2000)

مستقبل کا لائحہ عمل

فرسودہ اداراتی فریم ورک کو جدید بنانے اور نظام پولیس کے اخلاقی پہلوؤں کے چیلنجز سے نمٹنے کیلئے ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان میں ایسا نظام پولیس تشکیل دیا جائے جو سیاسی طور پر غیر جانبدار، غیر حاکمانہ، لوگوں کو جوابدہ، پیشہ ورانہ طور پر مستعد اور قانون کی حکمرانی کا وسیلہ ہو۔

پولیس کے نظام اور ڈھانچے کی تشکیل نو کیلئے حکومت نے فرسودہ اور دقیانوسی پولیس ایکٹ 1861 کو ختم کر دیا جو قانون کی حکمرانی کو تحفظ دینے کی بجائے نوآبادیاتی طاقتوں کو زیادہ سوٹ کرتا تھا۔ پولیس آرڈر 2002 کا مطمع نظر منجملہ طور پر پولیس کو غیر سیاسی بنانا، میرٹ کی بنیاد پر بھرتی اور ترقی کے ذریعے پولیس کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں میں اضافہ اور پولیس کو عوام کے سامنے زیادہ جوابدہ بنانا تھا۔ اگر اس پر مناسب عملدرآمد ہوتو یہ اصلاحات پولیس کے نظام میں بنیادی تبدیلی لاسکتی ہیں اور پولیس کو خصوصاً غربا اور محروم طبقات کیلئے عوام دوست سروس بنایا جاسکتا ہے۔

پولیس آرڈر پر عملدرآمد میں ہمیشہ چیلنجز درپیش رہے ہیں کیونکہ (1) صوبائی سول افسر شاہی نے نئے نظام کو کبھی قبول نہیں کیا اور (2) پولیس آرڈر کیلئے پولیس قیادت کی تائید مایوس کن رہی۔ پولیس اصلاحات کو درست راستے پر لانے کا مطلب یہ ہوگا کہ خود نمائی پسند سیاستدانوں، کاروباری افراد، افسر شاہی اور سٹیٹس کو کی حامی قوتوں کے درمیان جنگ توقع سے پہلے شروع ہوجائے گی۔ صرف وقت ہی بتائے گا۔

لیکن کیا پولیس کے نظام میں مجموعی نظام انصاف میں تبدیلی لائے بغیر اصلاحات کی جاسکتی ہیں؟ بلاشبہ نظام پولیس کی کسی بھی حکمت عملی کے لئے متعدد دیگر عوامل کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا۔ جیسے حکومتی ڈھانچہ، وفاقی اور صوبائی حکومتوں یا صوبائی اور مقامی حکومتوں میں توازن، ملکی انتظامی معاملات میں عدلیہ، فوج اور سیاسی جماعتوں کا کردار، پبلک پراسیکیوٹرز اور وکلاء صفائی کا کردار، تاریخ میں کسی خاص موقع پر پولیس فورس کی پیشہ ورانہ قیادت کیسی رہی، پولیس فورس کا مینڈیٹ کیا ہے اور ایک فرسودہ نظام سے ایک متفقہ یا

کمیونٹی ماڈل کی جانب پولیس کے قانونی جواز کی بنیاد پر منتقلی کی کوشش کتنی سنجیدہ ہے۔ اگر زیادہ نہیں تو اتنی ہی اہم یہ بات ہے کہ معاشرے کی غیر محسوس خصوصیات کو مدنظر رکھا جائے جیسے اس کا سماجی ڈھانچہ اور ثقافتی توقعات۔

آخر میں، تجدیدنو کے عمل کیلئے ضروری ہے کہ پاکستان کی سیاسی اور پولیس قیادت اس چیز کا ادراک کرے کہ اگر پولیس کو موثر ہونا ہے تو وہ سائیلین کی توقعات پر پورا اترے۔ تاریخی طور پر پولیس کی سینئر قیادت اس حوالے سے تذبذب کا شکار رہی ہے کہ وہ پولیس فورس کو ایسی تنظیم کے طور پر دیکھے جانے کا ادراک کرے جو بنیادی طور پر کسی دوسرے ادارے یا کاروبار سے مختلف نہیں ہے۔ اس بنیادی غلطی کے نتیجے میں کمزور انصرام اور قیادت کے جواز کے طور پر پولیس نظام کی پیچیدگی کا سہارا لینے کا رجحان رہا ہے۔ لہذا مستقبل کی پولیس قیادت کو ایک مشترکہ وژن وضع کرنا اور مشترکہ مشن کا ادراک کرنا ہوگا جو عوام کی توقعات پر پورا اترنے پر زیادہ توجہ مرکوز کرے گا۔ ''پہلے مسائل'' کے تصور سے عوامی اعتماد میں یقیناً اضافہ ہوگا اور پبلک سیفٹی اور عوامی احتساب کے معیار میں اضافے کیلئے کھلے عزم کیلئے ضروری ہے کہ پولیس قیادت آگے آئے اور درج ذیل اہم مقاصد کے حصول کو یقینی بنائے:

۱۔ پولیس کے اہم عہدوں پر عرصہ تعیناتی کا تحفظ
۲۔ پولیس کو غیر سیاسی بنانا
۳۔ پولیس کی سٹرٹیجک صلاحیت سازی کے لئے مناسب انصرام
۴۔ پولیس، خصوصاً نچلے رینک کے اہلکاران کے کام کے ماحول میں واضح تبدیلی
۵۔ مناسب پولیس بجٹ
۶۔ پولیس کی عوام کو ڈرانے والی فورس سے عوام دوست سروس کی جانب تبدیلی

آخر میں قانون نافذ کرنے والے ادارے کو جدید خطوط سے استوار کرنا، پاکستان کو درپیش بڑے چیلنجز میں سے ایک ہے اور اس چیلنج سے نمٹا جا سکتا ہے اور نمٹا جانا چاہیے۔ کوئی مختصر راستہ نہیں ہے اور کوئی آسان جواب نہیں ہے۔ ایک پرانی چینی کہاوت ہے کہ ہزاروں میل کا سفر بھی پہلے قدم سے شروع ہوتا ہے۔ خوش قسمتی سے پولیس آرڈر 2002 ان چند ابتدائی اقدامات میں سے ایک قدم ہے جو پہلے ہی لئے جا رہے ہیں۔ اس سفر کو مکمل کرنے کیلئے ہمیں سیاسی عزم اور مستحکم پولیس قیادت کی ضرورت ہے۔ ایک بھی لمحہ ضائع کرنے والا نہیں ہے۔

References

Abbas, Hassan (2009), "*Role of Pakistan Police in Counterinsurgency*", *Brookings* Counterinsurgency and Pakistan Paper Series. (No. 5). Washington, DC. www.brookings.edu
Abbas, Hassan (2009), "*Police and Law Enforcement Reform in Pakistan: Crucial for Counterinsurgency and Counterterrorism Success*", Institute for Social Police and Understanding.www.ispu.org/files/PDFs/ISPU%20%20police%20reforms%20in%20Pakistan%20Report.pdf
Abbas, Hassan (2012), "*Stabilizing Pakistan Through Police Reform*", Asia Society. www.asiasociety.org/policy/publications
Arnold, D. (1986), "*Police Powers in Colonial Rule: Madras 1859-1947", (Oxford: Oxford University Press)*
Barrat, Sir Richard*, "Aspects of Policing in Pakistan", 1990*
Bayley, D. H. (1985)*, "Patterns of Policing: A Comparative International Analysis"(New Brunswick: Rutgers University Press)*
Bayley, D. H. (1991)*, "Forces of Order: Policing Modern Japan" (Berkeley: University of California Press)*
Butler, A. J. P. (1992), *"Police Management", (Aldershot: Dartmouth Publishing Company Ltd.)*
Clarke, Ronald V. and Newman, Graeme R. (2007), 'Police and the Prevention of Terrorism' in *Policing: A Journal of Policy and Practice* (Oxford University Press)
Constabulary (Ireland) Act, CIII of 1822
Constabulary (Ireland) Act, XIII of 1836
Griffiths, Sir P. (1971)*, "To Guard My People: The History of the Indian Police" (London: Benn)*
Gupta, A. (1974)*, "Crime and Police in India "(up to 1861) (Agra: Sahitya Bhawan)*
Gupta, A. (1979)*, "The Police in British India, 1861-1947"(New Delhi: Concept Publishing Company)*
Jeffries, S. C. (1952)*, "The Colonial Police" (London: Max Parrish)*
Mark, Sir R. (1977), "*Policing a Perplexed Society"* (London: Allen and Unwin)
Mawby, R. I. (1990), *"Comparative Policing Issues" (London: Unwin Hyman)*
Metropolitan Police (London) Act, XLIV of 1829
Misra, B. B. (1959), *"The Central Administration of the East India Company", 1773-1834 (Manchester: Manchester University Press)*
Napier, Sir W. (1851), *"History of General Sir Charles Napier's Administration of Scinde" (London: Chapman and Hall)*
Newburn, Tim (ed.) (2003), "*Handbook of Policing"* (Devon, UK: Willan Publishing)
Police Act of 1861
Police Committee Report, 1985 (Islamabad: Government of Pakistan)
Police Reforms Implementation Committee Report, 1990 (Islamabad: Government of Pakistan)
Report of the Colombian Mission, 1999 (Karachi: CPLC)
Report of the Indian Police Commission, 1902-3
Report of the UN Mission to Pakistan: Organized Crime, 1995 (Islamabad: UNDCP)
Suddle, Dr. Muhammad Shoaib (2002), "*Reforming Pakistan Police: An Overview"*. 120th International Senior Seminar on "Effective Administration of Police and Prosecution in Criminal Justice", Annual Report: United Nations Asia and Far East Institute for the Prevention of Crime, Tokyo www.unafei.or.jp/english/pdf/PDF_rms/no60/ch05.pdf
Suddle, Dr. Muhammad Shoaib (2007), *Reinventing the Anachronistic Police Organisation of Pakistan*, Asian Development Bank Publication: 2007
Suddle, Dr. Muhammad Shoaib (2008), *Reforming Pakistan Police,* International Crisis Group: Asia Report N 157
Suddle, Dr. Muhammad Shoaib, 'Obstacles to Reform' in Abbas, Hassan (ed.) (2012), *Stabilizing Pakistan Through Police Reform*, Asia Society
Stead (ed.), *Pioneers in Policing* (Maidenhead: Patterson Smith), pp. 241-61
The City of Karachi Police Act (XXV of 1948)
The New Encyclopaedia Britannica, 15th edition, vol. 25
Tobias, J. J. (1977), 'The British Colonial Police: An Alternative Police Style', in P. J.
Travis, Jeremy (2000), "Policing in Transition" in *Police Practices & Research: An International Journal,* 1(1): pp 31-40.
Wilk, Paul (1986), *Terrorism and the Liberal State (Second Edition)*, (New York: New York University Press)
Wilkinson, Paul. (2011), *Terrorism versus Democracy: The liberal state response (Third Edition)*, (Abingdon, UK: Rutledge, Taylor and Francis Group)
Population Statistics for Countries, Administrative Areas, Cities and Agglomerations – Interactive Maps and Charts

www.citypopulation.de/Pakistan-20T.html
Punjab Police Official Website www.punjabpolice.gov.pk/
Sindh Police Official Website www.sindhpolice.gov.pk/
Khyber Pakhtunkhwa Police Official Website www.kppolice.gov.pk/
Balochistan Police Official Website www.balochistanpolice.gov.pk/
Dogar Arshad, *Rs87.9b allocated for Punjab police*, The News, Published June 13, 2015 *http://www.thenews.com.pk/Todays-News-5-323322-Rs879b-allocated-for-Punjab-police*
Salient features of Sindh budget 2015-16, The Business Recorder, Published June 13, 2015, http://www.brecorder.com/top-news/1/245673-salient-features-of-sindh-budget-2015-16.html
Spending on security: Major chunk of police budget goes to salaries yet again, Pakistan Federal Budget, Published June 16, 2015 http://budget.par.com.pk/news/spending-on-security-major-chunk-of-police-budget-goes-to-salaries-yet-again/
The Balochistan Times, *http://dailybalochistantimes.com/%EF%BB%BFover-rs-229-billionbalochistanbudget-2015-16-approved/*

ضمیمہ الف: آزاد پاکستان میں پولیس اصلاحات کی بڑی کاوشیں

۱۔ 1948: کراچی میں پولیس کا میٹروپولیٹن نظام متعارف کرانے کے لئے مسودہ قانون کی منظوری
۲۔ 1951: سر اولیور گلبرٹ گریس، آئی جی پولیس، خیبر پختونخواہ کی سفارشات
۳۔ 1961: جناب جسٹس جے بی کانسٹنٹائن کی سربراہی میں پولیس کمیشن
۴۔ 1962: تنخواہ و خدمات تنظیم نو کمیٹی (جسٹس کارنیلیئس)
۵۔ 1970: میجر جنرل اے او مٹھا کی سربراہی میں پولیس کمیشن
۶۔ 1976: ایم اے کے چودھری، آئی جی پولیس کی سربراہی میں پولیس سٹیشن انکوائری کمیٹی
۷۔ 1976: چودھری فضل حق کی سربراہی میں امن عام سب کمیٹی
۸۔ 1976: جناب رفیع رضا کی سربراہی میں پولیس ریفارم کمیٹی
۹۔ 1981: اورکزئی کمیٹی برائے قواعد پولیس ویلفیئر، ترقی اور سنیارٹی
۱۰۔ 1982: کابینہ کمیٹی برائے مراعات ایس ایچ او
۱۱۔ 1983: کابینہ کمیٹی برائے تعین حیثیت ایس ایچ او
۱۲۔ 1983: صاحبزادہ رؤف علی کمیٹی
۱۳۔ 1985: جناب اسلم حیات کی سربراہی میں پولیس کمیٹی
۱۴۔ 1987: دو رکنی وفد کے دورہ بنگلہ دیش اور بھارت کی رپورٹ
۱۵۔ 1989: سات رکنی وفد کے دورہ بنگلہ دیش اور بھارت کی رپورٹ
۱۶۔ 1990: سر رچرڈ بیرٹ، ہر میجسٹیز چیف انسپکٹر آف کانسٹیبلری کی سربراہی میں چار رکنی برطانوی وفد کی رپورٹ
۱۷۔ 1990: پولیس ریفارمز عملدرآمد کمیٹی۔ ایم اے کے چودھری
۱۸۔ 1995: پاکستان میں منظّم جرائم کے بارے میں اقوام متحدہ کے مشن کی رپورٹ
۱۹۔ 1996: پاکستان کے پولیس نظام کے بارے میں جاپانی پولیس کے وفد کی رپورٹ
۲۰۔ 1997: وزیر داخلہ کی سربراہی میں پولیس ریفارمز کمیٹی
۲۱۔ 1998: پولیس ریفارمز کے بارے میں گڈ گورننس گروپ کی رپورٹ
۲۲۔ 1999: کومبیئن مشن کی رپورٹ
۲۳۔ 2000: وزارت داخلہ کے پولیس ریفارمز کے فوکل گروپ کی رپورٹ
۲۴۔ 2002: پولیس آرڈر 2002
۲۵۔ 2004: پولیس آرڈر ترمیمی آرڈیننس 2004

حوالہ جات

1. May, R. I. (1990), Comparative Policing Issues (London: Unwin Hyman)
2. Jeffries, S. C. (1952), The Colonial Police (London: Max Parrish)
3. Mawby, R. I. (1990), Comparative Policing Issues (London: Unwin Hyman)
4. Arnold, D. (1986), "Police Powers in Colonial Rule: Madras 1859-1947", (Oxford: Oxford University Press)
5. *Ibid*
6. Tobias, J. J. (1977), 'The British Colonial Police: An Alternative Police Style', in P. J.
7. Napier, Sir W. (1851), History of General Sir Charles Napier's Administration of Scinde (London: Chapman and Hall)
8. Griffiths, Sir P. (1971), To Guard My People: The History of the Indian Police (London: Benn)
9. Gupta, A. (1974), Crime and Police in India (up to 1861) (Agra: Sahitya Bhawan)
10. Gupta, A. (1979), The Police in British India, 1861-1947(New Delhi: Concept Publishing Company)
11. Griffiths, Sir P. (1971), To Guard My People: The History of the Indian Police (London: Benn)

12۔ مصنف اس کمیٹی کے رکن/سیکرٹری تھے

13۔ بطور سیکرٹری جنرل، پولیس سروس آف پاکستان ایسوسی ایشن، مصنف نے وزیراعظم بھٹو کے اعلان کردہ تاریخی اصلاحی پیکج کی تیاری میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ انہوں نے نہ صرف اس تقریب کے لئے پولیس سروس ایسوسی ایشن کے صدر کی تقریر تحریر کی بلکہ انہیں وزیراعظم کی تقریر تحریر کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

14۔ مصنف اس وفد کا حصہ تھے

15۔ مصنف نے کراچی کی بہادر پولیس کی قیادت کی اور یہ کارنامہ سرانجام دیا

16۔ مصنف اس فوکل گروپ کا حصہ تھے

17۔ بطور این آر بی کنسلٹنٹ، مصنف نے تھنک ٹینک کے کام میں اہم کردار ادا کیا

18۔ یہ بلیو پرنٹ، اس مجوزہ پولیس قانون کا مسودہ تھا جس پر مصنف نے طویل عرصہ، 1997 سے 1999 تک کام کیا تھا

19۔ مصنف نا قابل یقین عرصہ 2004 سے 2008 تک نیشنل پولیس بیورو کے ڈائریکٹر جنرل رہے

20۔ جب مصنف انسپکٹر جنرل پولیس، بلوچستان تھے (2001-2004) تو انہوں نے منتقلی کے اس منصوبے کی تجویز دی اور کامیابی سے اسے چلایا

21۔ پنجاب پولیس کی تعداد پہلے ہی 180,000 سے تجاوز کر چکی ہے

پلڈاٹ

پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ
اینڈ ٹرانسپیرنسی

اسلام آباد آفس : پی، او، باکس 278، F-8 ، پوسٹل کوڈ: 44220، اسلام آباد، پاکستان
لاہور آفس: پی، او، باکس 11098، L.C.C.H.S ، پوسٹل کوڈ: 54792، لاہور، پاکستان
ای میل: info@pildat.org ویب: www.pildat.org